باسمہٖ تعالیٰ

عُلماءِ دیوبند کی تفسیری خدمات

مع

اہم اردو تفاسیر پر علمی تبصرہ

مُفسرِ قرآن
حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

فہرست مضامین مقالہ ہذا

تصحیح شدہ موضح قرآن شاہ عبدالقادر صاحبؒ محدث دہلوی

مرتبہ — حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ

آیاتہا ۷ — رکوعہا ۱

سورۂ فاتحہ مکی ہے، اور اس میں سات آیتیں ہیں ایک رکوع ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ

سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا، بہت مہربان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔ شاہ صاحبؒ کا ترجمہ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فعل مقدر ماننے کے بجائے "شروع" حاصل مصدر مقدر مانا، فعل کرتا ہوں میں جامعیت نہیں حاصل مصدر شروع میں واحد متکلم، جمع متکلم اور مذکر سب شامل ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے تقدیر فعل کے بجائے بنام خدا لکھا لیکن شاہ صاحبؒ نے لفظ شروع لگا کر قاری کو تلاوت کی طرف متوجہ کیا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں اس سے بہتر اور خوبصورت ترجمہ اردو میں سمجھ میں نہیں آتا۔ اس میں توضیح اور اختصار دونوں کی بقدر مناسب رعایت ہے، رحمان و رحیم مبالغے کے صیغے ہیں۔ ان کے مبالغے کو بھی ظاہر کر دیا اور لطیف اشارہ دونوں کے فرق مراتب کی طرف بھی کر دیا۔

فضیلت (الحجر، ۸۷) سورۂ فاتحہ کو القرآن العظیم، اور سبع المثانی کہا گیا ہے یعنی سات آیتیں وظیفہ کہا سورۃ کو اور بڑا قرآن بھی اسی کو کہا۔ ہر سورت قرآن ہے۔ یہ سب سے بڑی ہے درجہ میں (فوائد) مثانی کا ترجمہ وظیفہ کیا۔ کیونکہ یہ سورت نماز جیسی اہم عبادت میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔

ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

مفسر قرآن

مولانا عبدالکریم صاحب پاریکھ

کلام الٰہی کے ساتھ گہرا عشق اور داعی توحید و سنت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رشتہ خلوص و عقیدت رکھنے کی وجہ سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ علماء حق کی تفسیری خدمات کا یہ تعارف زیادہ سے زیادہ مسلم خواص و عوام کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ تاکہ مسلمانوں میں قرآن کریم کو سمجھنے کا ذوق پیدا ہو۔

خداتعالی مولانا موصوف کی اس خدمت کو بھی دوسری خدمات کی طرح درجہ قبولیت عطاء فرمائے۔

مولانا موصوف سے اس ناچیز کا خاص تعلق اس تاریخی واقعہ کی وجہ سے بھی ہے جس میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلف اکبر مولانا عبیداللہ انور صاحب نے انجمن خدام الدین شیرانولہ گیٹ لاہور (پاکستان) میں اس ناچیز کو محاسن موضح قرآن کی تصنیف کی خوشی میں اپنے والد مرحوم کا عربی عباء اور ایک جوڑا کپڑوں کا عطا فرمایا۔

محاسن موضح قرآن میں حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کی تفسیری خدمات کا تذکرہ شامل ہے۔

اس مبارک تقریب میں مولانا عبیداللہ انور صاحب کی خصوصی دعوت پر مولانا موصوف نے بھی شرکت کی تھی۔

اخلاق حسین قاسمی دہلوی

۶ر جون ۲۰۰۰ء

تحریک ولی اللہی، سرچشمۂ تحریک دیوبند

اخلاق حسین قاسمی دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس تاریخی سمینار کے اہل انتظام نے اس ناچیز کو اظہار خیال کے لئے یہ موضوع دیا ہے کہ تحریک ولی اللہی، سرچشمۂ تحریک دیوبند۔

اس لئے ضروری ہے کہ پہلے تحریک ولی اللہی کے بنیادی اصولوں سے متعلق چند باتیں عرض کردی جائیں۔

تاریخ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو دسویں صدی ہجری (۱۵۸۱ء) کا مجدد تسلیم کیا ہے۔

یہ وہ دور تھا جب ہندوستان کا مسلم اقتدار زوال پذیر تھا اور شاہ صاحب کی نظر بصیرت دیکھ رہی تھی کہ مسلم اقتدار کے بعد ہندوستان ایک غیر ملکی استبداد کا شکار ہوگا اور اس استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کو اقوام ہند کی مشترک جدوجہد درکار ہوگی۔

کیونکہ شاہ صاحب جن حکمرانوں کو عیش وعشرت اور نفاق وانتشار کی حالت میں دیکھ رہے تھے اور انہیں مجوسی بادشاہوں سے تشبیہ دے رہے تھے ان کے دوبارہ اقتدار میں آنے کی امید کیسے کرسکتے تھے؟

مجھ کو میری سرکشی نے کردیا پیوند خاک
سربلندی ان کے آگے سر جھکانے تک رہی

شاہ صاحب نے امت کے عروج وزوال کی مشہور روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے بیرونی مسلم اقتدار کے اخلاقی انحطاط کے بارے میں بھی جو اظہار خیال کیا ہے اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب مسلم دنیا کے زوال زدہ مسلم اقتدار کو بھی اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ ہندوستان کے روبزوال مسلم اقتدار کی جگہ حاصل کرسکتا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر اس مجدد عصر نے ہندوستان کی مذہبی قیادت کے لئے ایک واضح راہ عمل متعین کی تاکہ آٹھ سو برس کی مسلم تہذیب وثقافت کے امین ملک عوامی ہندوستان میں اسلام اور ملت مسلمہ کیلئے باعزت زندگی بسر کرنے کی راہ ہموار ہو۔

پہلا اصول!

۱۔ شاہ صاحب نے اس راہ عمل کا پہلا اصول یہ مقرر کیا کہ اسلام کے یقینی ماخذ کتاب اللہ سے براہ راست امت کو وابستہ کیا جائے، کیونکہ شاہ صاحب کی مجددانہ بصیرت پر یہ حقیقت منکشف تھی کہ مسلم اقتدار کے بعد ہندستان میں شرک کی قوتیں اتنی ہی توانا ہو کر کھڑی ہوں گی جتنی عہد اول میں تیرہ سالہ مکی دور کی حالت تھی اور اس دور میں اللہ تعالی نے داعی برحق ﷺ کو ہدایت کی تھی فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ (ق ٤٥) وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَاداً كَبِيراً (فرقان ٥٢) اے نبی! قرآن کریم سے انہیں نصیحت کیجئے یہ جہاد کبیر ہے۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم حکمت او لایزال است و قدیم

دوسرا اصول!

۲۔ اس راہ عمل کا دوسرا اصول یہ تھا کہ ہندوستان کو نہ صرف ایک رہائشی وطن سمجھا جائے بلکہ اس سے بڑھ کر ہندوستان کو مقام دعوت کے طور پر اہمیت دی جائے اور مسلمان ایک امت داعی کی حیثیت سے ہندوستان کو تبلیغی تحمل روحانی تصرف اور اخلاقی تلطف کا اولین مستحق قرار دیں۔

تیسرا اصول!

۳۔ اس راہ عمل کا تیسرا اصول اتحاد امت کا قیام ہے۔

اس عظیم مقصد کے لئے شاہ صاحب نے تقلید شخصی پر انحصار کی نفی کی، اخلاص توحید کی دعوت کے ساتھ تصوف واحسان کی ضرورت کو تسلیم کیا اور حجۃ اللہ البالغہ اور تفہیمات الٰہیہ کے ساتھ انفاس العارفین اور القول الجلی جیسی عارفانہ کتابیں بھی تحریر کیں، کیونکہ فروعی عقائد اور جزئیات فقہ کے اختلافات سے بلند ہو کر ہی ہندوستان کی ملت مسلمہ نازک مصائب میں گھرے ہوئے ملک میں اپنا فرض پورا کر سکتی ہے۔

جہاں تک شاہ صاحب کے ذوق تصوف کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت یہ معلوم

ہوتی ہے کہ شاہ صاحب اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کر سکتے تھے کہ اس سرزمین شرک میں مشائخ صوفیا نے جس حکمت عملی سے کام لیا ہے اور کامیابی حاصل کی ہے وہ تصوف واحسان کی راہ ہے۔

بہر حال یہی وہ اصول ثلثہ ہیں جن پر دیوبندی مسلک کی عمارت قائم ہے۔

جماعت دیوبند کے بانی!

جماعت دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ہیں جن کے بنیادی کارناموں کے دو اہم پہلو ہیں اور وہ یہ ہیں کہ مولانا نانوتوی صاحب ایک طرف جہاد بالسیف کے بطل جلیل تھے اور دوسری طرف جہاد بالقرآن کے معمار عظیم تھے۔

آپ نے شاملی کے میدان میں برطانوی طاغوت کا تلوار سے مقابلہ کیا اور راہ جہاد میں اتمام حجت قائم کرنے کے بعد جہاد بالقرآن شروع کر دیا اور امت توحید کو قرآن کریم کی علمی تلوار دے کر برطانوی فتنہ کی مدافعت کے لئے کھڑا کر دیا۔

اسی لئے اس عظیم بانی کے ہاتھوں جس دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑی وہ نہ صرف ایک تعلیم گاہ اور ایک مدرسہ تھا بلکہ جہاد قولی کے ساتھ جہاد عملی کی تربیت گاہ بھی تھا اور ایک ہی وقت میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب کا مدرسہ رحیمیہ بھی تھا اور بقول مولانا آزاد سلطان وقت مولانا محمد اسماعیل شہید کے جذبہ جہاد و حریت کے احیاء کا مرکز بھی تھا۔

دارالعلوم دیوبند کی تربیتی سرگرمیاں ہمہ جہتی تھیں اس لئے ضرورت تھی کہ استحکام سنت کی غرض سے بدعات و زوائد کی روک تھام کے لئے ایک خاص دفاعی مرکز مستقل طور پر قائم ہو۔

چنانچہ بانی دارالعلوم کے رفیق خاص مولانا رشید احمد گنگوہی کا مدرسہ اور خانقاہ اسی مقصد کے لئے گنگوہ میں قائم ہوا۔

مولانا نانوتوی نے اپنی کتاب آب حیات میں حضرت گنگوہی کے لئے جو عظیم القاب استعمال کئے ہیں ان سے مولانا نانوتوی کے دل میں حضرت گنگوہی کی گہری عقیدت اور ان کے کاز کی بنیادی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

جماعت دیوبند کے معمار!

مولانا محمد قاسم صاحب نے بہت کم عمر پائی اور اپنے وسیع پروگرام اور جامع مشن

کی رہنمائی کے لئے اپنے جلیل المرتبہ شاگرد شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کو مامور کیا۔ لیکن یہ ماموریت رسمی نہیں بلکہ وہبی تھی۔

حضرت شیخ الہند کو اہل بصیرت نے مجدد عصر تسلیم کیا ہے اور آپ کے شاگردوں کی منتخب روزگار جماعت کو آپ کا عظیم تجدیدی کارنامہ قرار دیا ہے۔

شاگردان شیخ الہند کی جماعت کو یہ خاکسار جماعت شیخ الہند کے نام سے موسوم کرتا ہے اس جماعت نے تحریک ولی اللہی کے تمام علمی، اصلاحی اور روحانی پہلوؤں پر کام کیا اور اسی کے ساتھ حضرت شیخ الہند کی رہنمائی کے مطابق آزادیٔ وطن کی تحریک میں سرفروشانہ اور مدبرانہ قیادت کر کے آزاد ہندوستان کی بنیادوں میں ملت توحید کے مجاہدوں کا خون شامل کر دیا تاکہ آزاد ہند میں ملت اسلامیہ سر جھکا کر نہ چلے بلکہ سر بلند کر کے زندگی گزارے۔

میرے پاس وقت نہیں کہ میں جماعت شیخ الہند کے ان اکابر علم و عمل اور مجاہدین عزیمت و حریت کے کارناموں پر تھوڑا بہت بھی کچھ کہہ سکوں اور اس جماعت کے اکابر خصوصا مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا انور شاہ صاحب کشمیری، مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کے مختلف النوع کارناموں کے بارے میں اظہار خیال کر سکوں۔

اسی طرح میرے پاس وقت نہیں ہے کہ میں شیخ الہند کی علمی عظمت کے عکس جمال مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کے عظیم تلامذہ کی قربانیوں کا مختصر تذکرہ بھی کر سکوں اور اس جماعت کے صاحب اخلاص و عزیمت افراد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا محمد طیب صاحب، مفتی عتیق الرحمان صاحب، مولانا محمد میاں صاحب اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب کی ان علمی اور ملی خدمات کا اجمالی تذکرہ بھی کر سکوں جن کی خدمات جلیلہ نے ہندوستان میں مسلمانان ہند کی نشاۃ ثانیہ کا فرض ادا کیا اور تحریک ولی اللہی کو دنیا میں متعارف کرایا۔

ہندوستان کی مشہور تعمیری اور انقلابی جماعتیں، جمعیۃ علماء دیوبند، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ انہی رہنماؤں کی فکری اور عملی رہنمائی کی تاریخ پیش کرتی ہیں ؎

کہتے ہیں فصل گل، تو چمن سے نکل گئی
اے عندلیب تو نہ چمن بیچ مرگئی

والحمدلله علی ذلك

سیمینار مولانا محمد قاسم نانوتوی ۲۰ر مئی تال کٹورہ اسٹیڈیم نئی دہلی

علماءِ دیو بند کی تفسیری خدمات!

ولی اللہی تحریک رجوع الی القرآن کی روشنی میں!

آٹھ سو سالہ مسلم ہندوستان میں دین برحق کے بنیادی ماخذ و منبع اور اسلامی دعوت و تبلیغ کے الٰہی طریق کار قرآن حکیم کی تعلیمات حکمت سے مسلمانوں کا باقاعدہ ذہنی اور عملی تعلق بارہویں صدی ہجری (اٹھارہویں صدی عیسوی) کے مجدد اور مصلح حضرت امام شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی اصلاحی جدوجہد سے شروع ہوا۔

اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی جدوجہد سے پہلے قرآن کریم کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے کا کوئی وجود نہیں تھا۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس طویل عرصہ (تقریباً پانچ سو سال) میں حلقہ علماء و فقہاء میں فقہ اسلامی کا رواج زیادہ رہا۔

البتہ حضرات صوفیاء ربانی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اپنے ملفوظات اور خانقاہی مواعظ میں قرآن کریم کی تفسیر اور احادیث نبوی کے حوالوں سے دینی مطالب و معارف کا تذکرہ مسلسل فرمایا کرتے تھے۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب نے اپنی کتاب فوائد الفواد کے علمی مقام میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مستند ملفوظات پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ المشائخ کی تفسیر قرآن (بیضاوی اور کشاف) کے

ساتھ محققانہ دلچسپی پر وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے۔

شیخ المشائخ کا دور ساتویں صدی ہجری کا ابتدائی دور ہے۔

آپ سے پہلے محمود غزنوی کی فوج میں ایک بڑے عالم شیخ محمد اسماعیل بخاری ہندوستان تشریف لائے، آپ قرآن کریم اور حدیث نبوی دونوں کے جید ماہر تھے۔ لیکن آپ کے ذریعہ اس برعظیم میں قرآن وحدیث کی تعلیم و تدریس کی اشاعت کتنی ہوئی؟ اس کا کوئی تذکرہ تاریخوں میں نہیں ملتا، آپ کی وفات ۴۴۹ھ میں ہوئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۶۸ھ) کا دور دسویں صدی ہجری کا ہے آپ کی جدوجہد کے ذریعہ ہندوستان میں باقاعدہ حدیث نبوی کے پورے نصاب (صحاح ستہ) کی تعلیم و تدریس کا دور شروع ہوا۔

شیخ محدث کے قلم سے علوم اسلامی پر تقریباً ساٹھ ۶۰ بڑی چھوٹی کتابیں نکلیں مگر قرآن کریم کی تفسیر پر صرف ایک کتاب (تفسیر آیت نور) وجود میں آئی۔

اسی صدی میں شیر شاہ سوری کے استاد شیخ شہاب الدین دولت آبادی نے فارسی میں بحر مواج کے نام سے ایک بڑی تفسیر لکھی لیکن یہ تفسیر مقبول نہ ہو سکی کیونکہ یہ دور سیاسی فتوحات میں مشغولیت کا تھا۔

عہد ولی اللہیؒ!

قرآن کریم کے بارے میں خدا تعالیٰ کی جو ہدایت تھی کہ فذکر بالقرآن (ق ۴۵) اور وجاھدھم بہ جھاداً کبیراً (الفرقان ۵۲)

یعنی اے نبی محترم! آپ قرآن کریم سے وعظ و نصیحت کیا کیجئے اور اس قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کے دلائل سے دعوتی جدو جہد کی راہ اختیار کیجئے یہ جہاد کبیر کی راہ ہے۔

خداوند عالم کے اس حکم کی تعمیل اسی مجدد خاندان کی اجتماعی جدو جہد کے لئے مقدر تھی۔

ہندوستانی مسلمانوں پر قرآن عزیز سے دوری کا یہ طویل عہد نہ صرف عملی سطح تک رہا بلکہ مسلمان ذہنی طور پر بھی کتاب الٰہی سے دور ہوگئے اور نہ صرف عوام میں بلکہ خواص امت کے اندر بھی یہ خیال پیدا ہوگیا کہ قرآن کریم ایک نہایت مشکل کتاب ہے، اس مشکل کتاب سے رہنمائی حاصل کرنا بھی مشکل ہے۔

مجدد اسلام حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ھ) نے اس کٹھن دور میں امت کے عوام و خواص کو کتاب الٰہی سے وابستہ کرنے کے لئے اپنی جدو جہد کو روحانی پیرایہ میں شروع کیا اور فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس دور کا امام و مصلح مقرر کیا ہے، میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ خدا تعالیٰ کی رہنمائی اور اس کے الہام و القاء کے ذریعہ کر رہا ہوں۔

اس روحانی پیرایہ کے باوجود جب شاہ صاحب نے اپنا فارسی ترجمہ (جو اس دور کی علمی اور سرکاری زبان تھی) امت کے سامنے پیش کیا تو آپ کے ساتھ زیادتی کی گئی اور آپ کے اس عمل کو ایمان خراب کرنے والا عمل قرار دیا گیا۔

حضرت شاہ صاحب نے دعوت دین کے سلسلہ میں اس

حقیقت کو سمجھا کہ جس طرح اسلام کے ابتدائی دور میں جو دور مسلمانوں کی کمزوری کا تھا اور شرک و کفر کے غلبہ کا تھا یعنی تیرہ سالہ مکی دور۔ اس دور میں خدا تعالی نے قرآن کریم کے ذریعہ توحید و آخرت کی دعوت دینے کا حکم دیا وہی دور ہندوستان میں مسلم اقتدار کے خاتمہ کے بعد شروع ہونے والا ہے۔

اس لئے مکی دور کے لئے دعوت حق کا جو طریقہ خدا تعالی نے مقرر کیا ہے اسی طریقہ کو زندہ کیا جائے اور دعوت دین کے لئے قرآنی حکمت و موعظت کا احیاء کیا جائے۔

ہندوستان میں قرآنی معجزہ کا ظہور!

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے سامنے ہندوستان کے قدیم دارالشرک میں قرآن کریم کے ذریعہ دعوت حق کی کامیابی کا یہ معجزہ موجود تھا کہ ابتدائی عہد کے ہندوستان میں ایک عراقی عالم کی تفسیر قرآن نے اس دور کے سب سے بڑے ہندو حکمراں، گجرات کے راجہ ولبھ رائے کے دل میں اسلام کی صداقت اتار دی تھی۔

یہ واقعہ چوتھی صدی ہجری کے مشہور عرب سیاح ابن شہریار نے اپنے سفر نامہ عجائب الہند (صفحہ ۶) پر بیان کیا ہے۔

اس راجہ نے سندھ (منصورہ) کے امیر عبداللہ ابن عمرو ابن عاص کو لکھا کہ میرے پاس ایک عالم اسلام کو بھیجا جائے جو مجھے اسلامی عقائد سمجھائے۔

یہی وہ عالم تھے۔ راجہ نے ان سے قرآن کریم کی تفسیر سننے کی خواہش کی انہوں نے قرآن کریم کے دل سورہ یٰسین کی تفسیر راجہ کی زبان ہندی (سنسکرت) میں بیان کرنی شروع کی۔

راجہ چوکی پر بیٹھ جاتا تھا یہ عراقی عالم سامنے بیٹھ کر اسے سورہ یٰسین کی تفسیر سناتے تھے۔

یہ تفسیر جب سورۃ کی آخری آیات قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (۷۹) یعنی یہ منکرین حق کہتے ہیں کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو قیامت کے دن کون زندہ کرے گا تو اے رسول محترم! آپ فرمادیں کہ وہی خدا زندہ کرے گا جس نے ان ہڈیوں کو پہلی بار پیدا کیا اور وہ خدا ہر قسم کی تخلیق کا علم رکھتا ہے۔

راجہ نے جب ان آیات کی تشریح اس عراقی پاکباز عالمؒ اور صوفی سے سنی تو بے اختیار چوکی سے نیچے اتر آیا اور زمین پر سر رکھ دیا اور بار بار یہ کہتا رہا، بے شک! یہ کلام ازلی اور ابدی خدا کا ہے۔

راجہ نے اس عراقی مبلغ کو چھ سو رطل سونا (۱۲ من) بطور نذرانہ کے پیش کیا اور بڑے اعزاز کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔

یہ مثال ہے کہ قرآن کا خطاب کس طرح روح انسانی کو خدا کے سامنے جھکا دیتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کا دور فارسی زبان کا دور تھا اس لئے شاہ صاحب نے فارسی میں ترجمہ قرآن تحریر کیا اور ان کے بڑے صاحبزادے نے تفسیر

عزیزی مرتب فرمائی۔ لیکن آپ کے دونوں صاجزادوں، شاہ عبد القادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب نے آنے والے دور کے تقاضوں کو سمجھا اور یہ دیکھا کہ آنے والا دور ہندوستانی اور اردو زبان کا دور ہوگا اس لئے ان حضرات نے اردو میں تراجم تحریر کیے۔

ان دونوں تراجم میں شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ اور تفسیری فوائد اس وقت کے اسلوب زبان کے لحاظ سے بھی اور علمی لحاظ سے بھی بقول علماء کرام الہامی حیثیت رکھتے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمدؒ اور مولانا فتح محمدؒ جالندھری کے تراجم!

ولی اللہی خاندان کے ان دونوں اردو تراجم کو ترقی کی طرف جانے والی اردو زبان کے اسلوب میں ڈھالنے کا کام مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے بامحاورہ اردو ترجمہ کر کے انجام دیا۔

یہ درست ہے کہ ڈپٹی صاحب نے کلامِ الٰہی کی شان ارفع سے فروتر بعض اردو محاورے استعمال کیے لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ بعد والے مترجم ڈپٹی صاحب کے ترجمہ سے بے نیاز نہیں رہے اور بعض مقامات میں تو ڈپٹی صاحب فہم قرآنی میں منفرد ہو کر سامنے آتے ہیں مثال کے طور پر آیت مائدہ (۱۸) کے ترجمہ میں ڈپٹی صاحب کی قرآن فہمی کا ذوق واضح ہے جس میں ڈپٹی صاحب منفرد نظر آتے ہیں۔

مولانا فتح محمد جالندھری ڈپٹی صاحب کے معاون ترجمہ تھے مگر پھر ان سے علیحدہ ہو کر مولانا نے اپنا ترجمہ تحریر کیا، یہ ترجمہ دراصل

ڈپٹی صاحب کے ترجمہ کی مختصر اور سہل صورت ہے۔

حضرت شیخ الہند کی کوشش!

علماء دیوبند ولی اللہی تحریک کے وارث ہیں، اس جماعت کے شیخ مولانا محمود حسن صاحب نے اردو زبان کے ارتقائی دور کے لحاظ سے شاہ صاحب کے موضح قرآن کی قدیم زبان کو آسان اور سہل اردو میں منتقل کیا اور موضح فرقان (۱۹۲۵ء) کے نام سے ایک اردو ترجمہ وقوع میں آیا۔

اسی جماعت دیوبند کے ایک شیخ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے استاد کے تسہیلی ترجمہ پر تفسیری حواشی (چار پاروں کے علاوہ) تحریر کئے اور ان حواشی میں شاہ صاحب کے تفسیری فوائد کی وضاحت کی اور حواشی کی گنجائش کے مطابق قرآن کریم کے بنیادی مطالب پر ایک مختصر تفسیر وجود میں آگئی۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ!

حضرت شیخ الہند کے شاگرد رشید مولانا عبید اللہ سندھی جب دیوبند سے دلی منتقل ہوئے تو اپنے استاد کی ہدایت کے مطابق دلی میں تفسیر قرآن کریم کا سلسلہ شروع کیا۔

مولانا سندھی کی یہ درس گاہ مدرسہ عالیہ فتحپوری دلی کے شمالی جانب کے بالائی کمرہ میں قائم تھی اور اس کا نام نظارۃ المعارف القرآنیہ تھا۔

مولانا سندھی جب حکومت برطانیہ کی گرفت سے بچ کر انڈر گراؤنڈ ہوئے تو ان کے داماد مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے درس تفسیر

شروع کیااور جب حکومت نے مولانا احمد علی صاحب کو دہلی سے جلاوطن کردیا تو یہ درس گاہ تفسیر لاہور منتقل ہو گئی۔

مولانا احمد علی لاہوری لاہور میں نظر بند کے گئے تھے، مولانا نے اپنی قیام گاہ کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد (شیر انوالہ گیٹ) میں ترجمہ و تفسیر کا سلسلہ شروع کردیا جس میں بڑے بڑے علماء فارغ التحصیل ہونے کے بعد تفسیر کا کورس حاصل کرتے تھے۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا ترجمہ قرآن!

دیوبندی حلقہ علماء کے ایک ممتاز عالم مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے اسی دوران میں قرآن کریم کا ایک نہایت سلیس اردو ترجمہ مرتب کیا، مگر وہ ترجمہ ایک دفعہ طبع ہو کر کتب خانوں کی زینت بن کر رہ گیا کیونکہ حضرت شیخ الہند کے ترجمہ کو ان کی مقبول شخصیت اور شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے اس ترجمہ کی نسبت کے سبب قبول عام کا مقام حاصل ہو چکا تھا۔

اس ترجمہ کی تالیف کا سن ۱۸۹۵ء ہے۔

مولانا تھانوی کی تفسیر!

اسی دور میں جماعت دیوبند کے عظیم عالم و فقیہ اور شیخ طریقت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے بیان القرآن کے نام سے ایک درمیانی درجہ کی تفسیر قرآن تحریر کی جو قرآنی مطالب کی ایک بنیادی تشریح کی حیثیت رکھتی ہے۔اس تفسیر کو حضرت تھانوی کے صاحب

علم ودانش مسترشد ومتوسل مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی نے تمام تفسیروں کی سرتاج تفسیر کالقب دیاہے۔(اس تفسیر کا سن تالیف ۱۹۳۱)

اسی کے ساتھ حضرت تھانوی نے احکام القرآن کے نام سے عربی میں ایک عظیم کتاب تحریر کی جس کو مولانا کے بعد ان کے فاضل مریدوں، مولانا ظفر احمد تھانوی، مفتی محمد شفیع اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے مکمل کیا اکابر دیوبند کے ممتاز محدث وفقیہ مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری کے شاگرد رشید اور حضرت تھانوی کے ممتاز مرید اور مجاز طریقت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مفتی اعظم پاکستان نے اپنے شیخ کی اسی تفسیر (بیان القرآن) کو بنیاد بنا کر معارف القرآن کے نام سے ایک بڑی تفسیر لکھی۔(سن تالیف ۱۹۹۱ء مطبوعہ دلی)

اس تفسیر کی خصوصیت قرآن کریم کی فقہی آیات کی مکمل تشریح ہے کیونکہ مفتی صاحب کا خاص موضوع حدیث وفقہ تھا۔

یہ تفسیر ہندوپاکستان اور بنگلہ دیش کی مقبول ترین تفسیر ہے۔

عہد عملی مولانا تھانویؒ کا قرآنی اجتہاد!

مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے شیخ کے ملفوظات میں مجالس حکیم الامت کتاب تحریر کی ہے اس کتاب میں مولانا تھانوی نے اپنی بیماری کے ایام میں حضرت موسیٰ کے ہاتھوں ایک قبطی نوجوان کی ہلاکت پر حضرت موسیٰ کی توبہ اور استغفار کے واقعہ سے اسلامی سیاست کے اہم مسئلہ "عہد عملی" کا استنباط کیا اور اسے مفتی صاحب نے مزید شرعی دلائل سے مستحکم کر کے اس کتاب میں پیش کیا۔

مستند موضح قرآن!

دیوبند کے ایک فاضل مولانا سید اخلاق حسین قاسمی نے خاندان ولی اللہی کے بنیادی تفسیری ذخیرہ موضح قرآن اور اس کے تفسیری فوائد کو قدیم لسانی اسلوب میں واپس لانے اور شاہ صاحب کے الہامی قدیم الفاظ کو باقی رکھتے ہوئے جدید زبان میں ان الفاظ و محاورات کو واضح کرنے اور شاہ صاحب کے تفسیری فوائد کے علمی اور ادبی لطائف کی تشریح کرنے کی قابل رشک جدوجہد کی اور بارہ سال کی مسلسل محنت کے بعد شاہ صاحب کے ترجمہ موضح قرآن کو مع فوائد کے ضروری تشریحات کے ساتھ مستند موضح قرآن کے نام سے مرتب کیا جو کراچی پاکستان میں چھپ چکا ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمہ اور فوائد کے محاسن پر سات سو صفحات کی ایک تحقیقی کتاب محاسن موضح قرآن کے نام سے ترتیب دی جو لاہور کے مطبع (ذی النورین) نے بڑے اہتمام سے شائع کی ہے۔ (سن طباعت مستند موضح قرآن ۱۹۹۵)

علماء دیوبند کی تفسیری خدمات میں مولانا قاسمی کی یہ خدمت جتنی اہمیت رکھتی ہے اس کا اظہار حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ کے ان تاثرات سے ظاہر ہوتا ہے، مولانا لکھتے ہیں مولانا اخلاق حسین قاسمی کی یہ کاوش اور عرق ریزی جو انہوں نے اس ترجمہ (موضح قرآن) کے حل مشکلات اور توضیح مغلقات کے سلسلہ میں کی ہے احقر کے نزدیک حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم کی

پیروی ہے جو انشاء اللہ مقبولیت پر مقبولیت کا نشان ہے اور انشاء اللہ ایک عظیم تفسیری خدمت ہونے کے ساتھ اقتفاء آثار سلف کی وجہ سے دوگنی مقبولیت کی ضامن ہے۔ (مقدمہ مستند موضح قرآن صفحہ ٦)

مولانا قاسمی کے تفسیری مضامین کا ایک مجموعہ "معارف التفسیر" کے نام سے چھپ چکا ہے اور دوسرا بڑا حصہ "بصائر القرآن" کے نام سے زیر طبع ہے۔ اسی نام سے مولانا کے تفسیری کیسٹ دلی میں ملتے ہیں۔

ترجمہ کشف الرحمان ۱۹۵۷ء

اس کے علاوہ مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کی تفسیر کشف الرحمان بھی ولی اللہی علوم تفسیر کو آسان سے آسان کر کے پیش کرنے کی ایک کامیاب جدو جہد ہے، یہ تفسیر ہندو پاکستان دونوں جگہ مقبول ہے۔

مفتی اعظم کی قرآن فہمی!

مولانا اخلاق حسین قاسمی نے لکھا ہے کہ جب میں کشف الرحمٰن کی ترتیب میں مولانا احمد سعید صاحب کے ساتھ بطور معاون کام کر رہا تھا تو اس وقت جب مولانا احمد سعید صاحب کو کسی مشکل قرآنی لفظ کے ترجمہ میں دشواری پیش آتی تو مولانا مرحوم مجھے ہدایت کرتے کہ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں جاؤ اور اس کا ترجمہ کرا کر لے آؤ۔

مفتی صاحب کا دولت خانہ (کٹرہ مہر پرور، کوچہ چیلان) مولانا کے مکان کے قریب ہی واقع تھا۔

میں مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور مفتی صاحب

اس مشکل کلمہ کا ترجمہ بلا تکلف کر دیتے۔

اس کی ایک مثال مولانا قاسمی صاحب نے یہ لکھی ہے۔

قرآن کریم میں بقرہ (۲۴۵) میں اضعافا کثیراً ہے اور آل عمران (۱۳۰) میں اضعافا مضاعفه ہے اضعاف ضعف کی جمع ہے، پھر کثیراً اور مضاعفہ کے الفاظ سے اس کی تاکید کی گئی ہے۔

اس کے ترجمہ میں مولانا احمد سعید صاحب کو مشکل پیش آئی اور حضرت مفتی صاحب نے بغیر کسی تکلف کے ان الفاظ کا بہترین ترجمہ تحریر کر دیا ہے۔

مولانا احمد سعید صاحب نے ایک موقعہ پر مفتی صاحب کے ترجمہ کے الفاظ دیکھ کر فرمایا حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں بڑے بڑے صاحب علم وعرفان موجود ہیں۔ مگر اخفاء حال کی باطنی کیفیت میں مفتی صاحب کی شان منفرد ہے۔

حرمت سود کی آیت میں عجیب نکتہ!

مولانا قاسمی صاحب نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی قرآن فہمی کے بارے میں یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک روز میں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں کسی کام سے مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ حاضر ہوا۔ اس وقت مفتی صاحب مرحوم اپنی درس گاہ میں ترمذی شریف کا درس دے رہے تھے اور حرمت سود سے متعلق آیت (بقرہ ۲۷۹) زیر بحث تھی۔

آیت کریمہ یہ ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ سود حرام

کئے جانے کے بعد۔ اے لوگو! اگر تم اس سے باز نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اپنے رسول مکرم ﷺ کو کیوں شامل کیا؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی بندہ کا جنگ کرنا کیا کچھ کم خوفناک ہے؟

مفسرین نے حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق اس کا یہ مطلب لکھا ہے کہ اس میں امام المسلمین کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سود خور اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کردیا جائے کیونکہ وہ امام المسلمین (رسول پاکؐ) کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہے۔

مفتی صاحب نے فرمایا، لیکن میرے خیال میں اس کے علاوہ لفظ رسول لانے کی حکمت یہ ہے کہ سود خوری قانون الٰہی کی خلاف ورزی کے علاوہ رسول پاک ﷺ کے ذاتی کردار اور ذاتی ذوق کی بھی خلاف ورزی ہے۔

خدا تعالیٰ تو اپنے قانون کے مطابق مال ودولت میں سے زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد باقی مال سے مالدار کو فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا ذاتی عمل یہ تھا کہ آپ اپنی سادہ ضروریات زندگی کے علاوہ کسی مقدار میں بھی مال ودولت اپنے پاس رکھنے کو پسند نہیں کرتے تھے آپ اپنی ذاتی ضرورت ہی نہیں بلکہ اپنی اولاد کی ضرورتوں پر بھی غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو ترجیح دیتے تھے۔

آپ نے اپنے بعد دو دینار بھی اپنے گھر میں چھوڑنے گوارا نہ

کئے اور بار بار حضرت عائشہ کو مرض وفات میں یہ حکم دیا کہ یہ دینار خیرات کردیئے جائیں۔

قرآن کریم اللہ کے لفظ کے ساتھ رسولؐ کا لفظ لاکر یہ بتارہا ہے کہ سودخوری غریبوں کے ساتھ اور ضرورت مندوں کے ساتھ ایسی سنگ دلی اور ایسا ظلم ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے زیادہ رسول پاکؐ کی ناراضگی اور آپ کے غصہ کا موجب ہے اوراس امت کے گناہ گاروں کا آخری سہارا رسول پاکؐ کی شفاعت ہی ہے، جو آپ کی رضامندی پر موقوف ہے۔

اللہ کے رسولؐ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ اتنی محبت رکھتے تھے کہ انہی کے ساتھ جینے، انہی کے ساتھ مرنے اور انہی کے ساتھ قیامت کے دن اٹھنے کی دعاء فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے آیت مذکورہ کی تشریح میں جو نکتہ بیان فرمایا وہ اس طالب علم کی نظر سے کسی تفسیر میں نہیں گذرا۔

حضرت مفتی صاحب جگر میں کینسر کے مریض تھے اور اس وقت بیماری نے زور کرنا شروع کردیا تھا، اس قطب وقت کے نورانی چہرے پر نقاحت کے آثار طاری تھے اور رسول پاک ﷺ کی زندگی کے اس پہلو پر بولتے ہوئے آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں مولانا قاسمی نے بتایا کہ میں نے یہ تشریح مولانا احمد سعید صاحب کو آکر سنائی مولانا مرحوم اس قسم کے تفسیری نکات سے بڑی دلچسپی لیتے تھے، مولانا نے تفسیر کا یہ نکتہ بڑی حیرت کے ساتھ سنا اور فرمایا۔

میں نے اپنے پچاس سالہ تفسیری مطالعہ میں یہ نکتہ پہلی بار سنا ہے۔

مشکلات القرآن، مولانا کشمیریؒ!

علماء دیوبند کے مشہور محقق حدیث مولانا سید انور شاہ صاحب نے مشکلات قرآن کے نام سے ایک اہم کتاب تحریر فرمائی اور ختم نبوت کے متعلق سورہ احزاب کی آیت ۴۰ کی تفسیر میں شاہ صاحب نے فہم قرآن اور عشق نبوی دونوں قسم کے کمالات کا جو مظاہرہ کیا وہ تفسیر قرآن کے ذخیرہ میں بیش قیمت دولت کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت کشمیری اگرچہ حدیث وفقہ کے امام تھے مگر خدا تعالی کی طرف سے آپ کو فہم قرآن کریم کا ذوق وجذبہ بھی بھرپور ودیعت کیا گیا تھا۔

شاہ عبد القادر صاحب کے موضح قرآن اور تفسیری فوائد پر مولانا کی نظر بڑی گہری تھی اور آپ اس الہامی ترجمہ و تفسیری فوائد سے والہانہ محبت کرتے تھے اور اپنی جماعت کے علماء اور اپنے تلامذہ کو اس کے مطالعہ اور اس کے غوامض ومعارف پر غور وفکر کرنے کی برابر دعوت دیتے تھے۔

مولانا احمد سعید صاحب دہلوی حضرت شاہ صاحب کی یہ نصیحت نقل کرتے تھے کہ شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے۔

قرآن کریم لے کر بیٹھ جاؤ، دین دنیا سب مل جائے گی۔

رجوع الی القرآن کی تحریک اور علماء دیوبند!

اس ناچیز کے نزدیک علماء دیوبند کی مذکورہ تفسیری خدمات جہاں

تفسیر قرآن کی تحریری بنیادی خدمت کی حیثیت رکھتی ہیں وہیں اس جدو جہد کی روح یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کی تحریک رجوع الی القرآن کا جذبہ امت میں بیدار ہو۔

اس سلسلہ میں تفسیر قرآن کی تحریری خدمت کے علاوہ جماعت دیوبند کے اکابر علماء نے پچھلے پچاس ساٹھ سال کے دور میں تفسیر و ترجمہ کی عوامی مجالس قائم کیں۔ اور مرکز شاہ ولی اللہ دلی کی ہر بڑی مسجد میں ترجمہ کے صباحی درس جاری کئے۔

یہ اکابر علماء ایک طرف تحریک آزادی میں قائدانہ طور پر قربانیاں پیش کر رہے تھے اور دوسری طرف تذکیر بالقرآن کا فریضہ ادا کرنے میں بھی سرگرم رہتے تھے۔

مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے مراد آباد جیل میں سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان فرمائی یہ تفسیر مولانا محمد میاں صاحب مراد آبادی نے نوٹ کی اور اسے تحریری شکل میں ہفت مجالس قرآنی کے نام سے شائع کیا۔

حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے قرآنی ذوق کا ایک بڑا جذبات انگیز واقعہ مولانا قاسمی نے یہ بتایا کہ ۳۹ء کی جنگ عظیم دوم جاری تھی اور اس جنگ میں جرمنی کا ڈکٹیٹر ہٹلر اپنی فوجوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا اور برطانوی فوجیں پسپا ہو رہی تھیں۔

اس دشمن اسلام طاقت کی ہزیمت کی خبریں اخبارات میں شائع ہو رہی تھیں۔

ان دنوں حضرت مدنی پر خوشی کی ایک خاص کیفیت طاری تھی چنانچہ

ایک روز درس بخاری کے بعد دولت خانہ پر تشریف لے جاتے ہوئے مولانا کی زبان پر بڑے والہانہ انداز میں قرآن کریم کی یہ آیت جاری تھی۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

(انعام ۴۵)

ظالم قوم کی جڑ کٹ گئی، خدا تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے مولانا مدنی کی تلاوت کا ایک خاص انداز تھا، جس میں ایک قسم کا کھٹکا تھا، جو دل پر چوٹ بن جاتا تھا۔

مولانا موصوف نے یہ واقعہ دلّی آکر مولانا احمد سعید صاحب کو سنایا، مولانا مرحوم کافی دیر تک اس آیت کریمہ کو گنگناتے رہے، جیسے کوئی مزا لیتا ہو، پھر فرمایا۔

مولانا مدنی کے دل پر اس آیت کا الہام ہوا، اس موقعہ کے لئے اس آیت کریمہ کی طرف میرا خیال بھی نہیں گیا، حالانکہ میں قرآن کریم کا طالب علم ہوں، پھر فرمایا۔

ولی اللہی مکتب فکر سے جس عالم کا جتنا گہرا تعلق ہوتا ہے اسے کلام الٰہی سے اتنی ہی گہری مناسبت ہوتی ہے۔

(دلّی گہوارۂ محدثین تصنیف مولانا قاسمی)

جیل میں قرآنی مذاکرہ!

تحریک آزادی کے ان مجاہدین کا جیل کے اندر بھی بہترین مشغلہ قرآنی مذاکرہ اور قرآن کریم پر غور و فکر تھا، مولانا قاسمی نے لکھا ہے کہ

ایک موقعہ پر مولانا احمد سعید صاحب نے ملتان جیل کا واقعہ سنایا، جیل میں بڑے بڑے اکابر علم جمع ہوگئے تھے ایک روز شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ موضح قرآن میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کی حکمت پر مذاکرہ ہورہا تھا شاہ صاحب نے الصمد کا ترجمہ نرادھار کیا ہے، جبکہ ان کے والد شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ بے نیاز ان کے سامنے تھا۔

حضرت مفتی اعظم (مولانا کفایت اللہ صاحب) نے فرمایا:

عربی کے اس جامع اور وسیع المعانی لفظ (الصمد) کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر نے حضرات صحابہ اور تابعین کے بارہ قول نقل کیے ہیں۔

ایک ہندی زبان کے فاضل پنڈت جی بھی سیاسی قیدیوں میں شامل تھے ہم نے انہیں بھی بات چیت میں شریک کرلیا، وہ بڑے غور سے قل ھو اللہ احد، اللہ الصمد الخ کا مطلب سنتے رہے، پھر بولے، وہ شخص سنسکرت کا بڑا فاضل تھا جس نے قرآن کے اس لفظ صمد کا ترجمہ نرادھار کیا۔

ہندی لغت میں تو نرادھار کے معنی بے سہارے قائم ہونے والا یعنی غیر محتاج اور بے نیاز ہے لیکن ہندو مذہبی فلاسفروں نے اس لفظ کو خدا کے لئے اس معنی میں استعمال کیا کہ وہ کسی سہارے اور کسی مدد کا محتاج نہیں مگر سب اس کے سہارے پر قائم ہیں اور اس کے محتاج ہیں۔

شاہ صاحب نے یہ دیکھا کہ الصمد کا ترجمہ بے نیاز اس کے جامع مفہوم کا ایک پہلو ہے، دوسرا پہلو کہ سب اس کے نیاز مند اور محتاج ہیں،

اس بے نیاز کے لفظ میں شامل نہیں، اس لئے الصمد کا پورا مفہوم ایک لفظ سے اگر ادا ہوتا ہے تو وہ نرادھار کا ہندی لفظ ہے، مولانا قاسمی صاحب نے اس موقعہ پر مولانا سے پوچھا کہ کیا کبھی شاہ صاحب کے ترجمہ اور اس میں ہندی الفاظ استعمال کرنے پر مولانا آزاد علیہ الرحمہ سے آپ کی گفتگو ہوئی تو مولانا نے فرمایا، ہاں، ایک روز مولانا علمی گفتگو کے موڈ میں تھے شاہ صاحب کے ترجمہ کا ذکر بھی آیا، میں نے عرض کیا، آپ نے کبھی الصمد کے ترجمہ نرادھار پر بھی غور فرمایا۔

مولانا آزاد نے فرمایا۔ ہاں! میرے بھائی شاہ صاحب کے ترجمہ کی بھی کیا بات ہے، وہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ بے ہمہ، سب سے نرالا ہے اور با ہمہ، سب کا مقصود ہے۔

پھر مولانا آزاد نے فرمایا:

میں نے الفاتحہ کی تفسیر ہی میں صفات الٰہی پر اتنی جامع بحث کی ہے کہ علماء کرام اگر اسی بحث سے استفادہ کرلیں تو قرآنی صفات الٰہیہ کے سمجھنے میں کسی جگہ الجھن پیش نہ آئے، خدا تعالیٰ کی تمام صفات حسنہ ایک ہی ذات کے مختلف مظاہر ہیں ایک پر غور کرو تو دوسری سب اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔

خدا تعالیٰ کو مختلف صفات سے مرکب سمجھنا غلط ہے، جو کچھ تقابل ہے وہ بنظر ظاہر ہے۔

مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا:

میں نے گھر آکر مولانا کی تفسیر الفاتحہ کی یہ بحث پڑھی، مجھے

بہت تعجب ہوا کہ مولانا آزاد نے بیس پچیس سال پہلے جو کچھ لکھا تھا وہ ان کے دماغ میں انہی الفاظ کے ساتھ محفوظ ہے، مولانا کے پاس خداداد قوت حافظہ تھی۔

کلام الٰہی کی روحانی تاثیر!

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے اپنے ترجمہ فتح الرحمٰن کے مقدمہ میں امت کو کلام ربانی کی روحانی تاثیر سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے اور خدا کا یہ کلام ابدی روح انسانی کو مخاطب اور متاثر کرتا ہے۔

شاہ صاحب نے اس نکتہ کی وضاحت حجۃ اللہ البالغہ میں اس طرح فرمائی کہ روح انسانی (علاوہ روح حیوانی) خدا تعالیٰ کے کلمہ کن یعنی کلام حق کا ظہور ہے اور قرآن کریم بھی کلام حق ہے اس طرح کلام الٰہی قرآن اور روح انسانی کے مابین خاص تعلق ہے، دونوں میں باہمی مجانست ہے۔

اس لئے دعوت و تبلیغ میں روح انسانی کو متاثر کرنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ تذکیر بالقرآن سے کام لیا جائے۔

تذکیر بالقرآن کے فریضہ کی ادائیگی زبانی وعظ و نصیحت اور تحریری دعوت و تبلیغ کے میدان میں حضرت شیخ الہند دیوبندی سے وابستہ دو شخصیتوں نے نمایاں طور پر انجام دی۔

ایک شخصیت مولانا ابوالکلام آزاد کی جنہوں نے الہلال و البلاغ (۱۲ء) کے ذریعہ اپنی پر اثر اور سحر انگیز تحریروں میں قرآنی آیات کا جابجا اقتباس نقل کیا اور قرآنی معارف کو عام کیا۔

دوسری شخصیت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کی جو اپنے کامیاب عوامی وعظوں میں قرآن کریم کی آیات، آیات قصص، آیات امثال اور آیات تہدید وتبشیر سے کام لیتے تھے اور اپنے دہلوی شگفتہ اور شیریں انداز بیان میں قرآن کریم کی آیات کو سمو کر اس طرح پیش کرتے تھے کہ کلام الٰہی کی عظمت عوام کے دلوں میں بیٹھ جاتی تھی جبکہ دوسرے اصحاب وعظ و تقریر لطائف وحکایات اور صوفیانہ نکات وفضائل بیان کر کے عوام کی دل بستگی کا سامان کرتے تھے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیخ الہند مولانا دیوبندی کی جماعت سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ قرآن کریم کی جگہ پھر حکایات وفضائل کی طرف مسلمانوں کو واپس لا رہے ہیں اور تحریک ولی اللہی کی وارث جماعت نے زبردست جدوجہد کر کے رجوع الی القرآن کا جو جذبہ اور شوق پیدا کیا تھا اسے ختم کرنے کی باقاعدہ کوشش کی جارہی ہے۔

مولانا نورالدین صاحب بہاری!

تحریک آزادی میں سر فروشانہ قیادت کرنے والے علماء اسلام میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا اسم گرامی روحانیت اور اتقاء میں مشہور ہے لیکن مولانا مدنی کے علاوہ بھی ان قائدین آزادی علماء کی جماعت میں بڑے بڑے اصحاب روحانیت اور اہل اخلاص علماء شریک تھے۔

ان میں ایک صاحب زہد وتقوی عالم مولانا نورالدین صاحب بہاری تھے جو دلی کانگریس کمیٹی کے صدر بھی رہے اور دلی سے اٹھنے والی تحریکات

آزادی میں قید و بند کے مصائب جھیلنے میں بھی ان کا کردار نمایاں رہا۔

ہندوستان کے پہلے راشٹرپتی راجندر پرشاد سے مولانا بہاری کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی نے مولانا بہاری کی قرآن فہمی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے مولانا بہاری جنگل والی مسجد باڑہ ہندوراؤ میں درس قرآن دیتے تھے۔

ایک روز مولانا مرحوم سورہ حدید (آیت۱۶) **فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ** پر تقریر کر رہے تھے۔

یعنی قرآن کریم کہتا ہے، کیا اہل ایمان کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی یاد سے نرم پڑیں اور ان کے باطن میں یاد الٰہی سے خشوع اور عاجزی کی کیفیت پیدا ہو اور یہ لوگ ان یہود و نصاری کی مانند نہ ہو جائیں جن کے دل نبوت سے دور ہو جانے کی وجہ سے سخت ہو گئے اور ان کے اندر خدا کی نافرمانی نے جگہ بنالی۔

مولانا بہاری علیہ الرحمہ نے اس آیت سے یہ نکتہ پیدا کیا کہ نبوت سے دور ہو جانے اور نبوت کی روشنی سے محرومی کی وجہ سے یہود و نصاری کے اندر قساوت قلبی کی جو کیفیت پیدا ہوئی اس سے اس امت کے اہل ایمان محفوظ رہے کیونکہ نبوت کے بعد خدا کی یاد سے دلوں میں عاجزی کی کیفیت پیدا کرنے والے اہل روحانیت مشائخ و صوفیاء اس امت میں برابر پیدا ہوتے رہے۔

اسی طبقہ (اہل روحانیت) کو رسول آخر الزماں ﷺ نے اپنا

جانشین فرمایا ہے اور دلوں کی قساوت اور نفسانی خواہشات کا زور توڑنے والے انبیاء بنی اسرائیل کے ساتھ حضورؐ نے ان کی مشابہت قائم کی ہے۔

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" مشہور حدیث ہے۔

مولانا قاسمی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ تفسیر (قدیم وجدید) کی کسی کتاب میں نہیں دیکھی، یہ تھے وہ مجاہدین آزادی جن کا تعلق ولی اللہی فکر دینی سے قائم تھا۔ اور انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں حصول اقتدار اور حصول مال وزر کی خاطر شرکت نہیں کی تھی، بلکہ ایک مذہبی یعنی انسانی اور وطنی خدمت اور آزاد ہندوستان میں ملت مسلمہ کے لئے باعزت مقام کے قیام کو پیش نظر رکھا تھا اور نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں بلکہ عالم اسلام کے حالات کا گہرا شعور اس فیصلہ کا محرک تھا۔

پانچ اہم اردو تفسیریں

یہ بات قرآن کریم کے معجزات میں شامل ہے کہ اس کلام مقدس کی تشریح کے لئے ہر دور میں، ہر دور کے تقاضوں کے مطابق، ہر زبان اور ہر ملک کے حالات کی رعایت سے باکمال افراد کھڑے ہوتے رہے ہیں۔

ہندوستانی علماء نے قرآن کریم کے تراجم وتفاسیر کی خدمت میں اپنے اپنے ذوق وشوق کے مطابق جو خدمت کی اس کی طویل فہرست ہے لیکن اس فہرست میں جن تفاسیر کو الگ الگ خصوصیات کا حامل کہا جاسکتا ہے وہ پانچ تفسیریں ہیں۔

تبصرہ از مولانا اخلاق حسین قاسمی

تفسیر حقانی ۱۹۳۲ء

مولانا عبدالحق حقانی دہلوی کی یہ تفسیر نہایت سلیس اردو میں کافی وضاحت سے تحریر کی گئی مصنف کے تعلیمی سلسلے کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہے کہ مرحوم نے حدیث نبوی کا درس میاں نذیر حسین (شاگرد شاہ محمد اسحاق صاحب) سے لیا۔

اس سے مصنف کے راسخ العقیدہ ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف مرحوم نے اپنی تفسیر میں سرسید مرحوم کی تفسیر (تفسیر احمدی) کی تاویلات باطلہ کا کھل کر رد کیا۔

سرسیدؒ نے اپنی تفسیر ۱۸۷۶ء سے شروع کی اور ۱۹۰۴ء میں اس کا ساتواں حصہ مکمل کیا۔

تفسیر حقانی کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر (ترجمان القرآن) ہے جس میں مولانا نے اپنے سنجیدہ اسلوب تحریر میں وحی الٰہی، ملائکہ، عقل وفطرت کی رہنمائی جیسے مسائل کو سلف صالحین اور محدثین کے طریقہ پر واضح کیا اور سرسید کی عقل پرستی کی تردید کی۔

حالانکہ مولانا آزاد کو سرسید سے اتنا ذہنی اور قلبی تعلق تھا کہ مولانا مرحوم سرسید کے رسالہ تہذیب الاخلاق کو سرہانے رکھ کر سوتے تھے، مگر جب سرسید نے دین کے مسلمات سے انحراف کیا تو مولانا نے بڑی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ان سے علیحدگی اختیار کرلی۔

میاں نذیر حسین محدث دہلوی!

میاں نذیر حسین مرحوم نے مولانا محمد اسحاق صاحب نبیرہ شاہ

عبدالعزیز صاحب سے حدیث نبوی پڑھی، لیکن تقلید شخصی کے مسئلہ میں میاں صاحب اپنے پردادا استاد حضرت شاہ ولی اللہ کے نقطہ نظر سے وابستہ تھے۔

بڑے شاہ صاحب کے ساتھ اس ذہنی تقرب کی وجہ سے میاں صاحب قرآن کریم کی بالراست دعوت واشاعت کی اہمیت کے قائل تھے۔

چنانچہ میاں صاحب اپنے حلقہ درس حدیث میں پہلے قرآن کریم کے ایک رکوع کی تلاوت کراتے اور پھر شاہ صاحب کے موضح قرآن سے اس رکوع کا ترجمہ سناتے اور اس کی مختصر تفسیر کرتے، پھر درس حدیث شروع ہوتا۔

مولانا تھانوی نے اپنی تفسیر میں اہل کتاب (یہود ونصاری) کے واقعات میں تفسیر حقانی پر اعتماد کر کے اس سے استفادہ کیا ہے۔

تفسیر ترجمان القرآن مولانا آزاد ۱۹۳۱ء

مولانا آزاد کی اس تفسیر کے بارے میں مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کے یہ مختصر تعریفی فقرے کافی ہیں کہ مولانا آزاد نے قرآن کریم کی عربی مبین کو اردوئے مبین کے حسین قالب میں ڈھالدیا۔

اب فصاحت وبلاغت اور حسن کلام وادب کی جو شان کلام حق کے متن میں نظر آتی ہے وہی شان اس کے اردو ترجمہ (ترجمانی) میں محسوس ہوتی ہے۔

اس تفسیر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے قرآن کریم

کے بعض اہم قصص وواقعات کی تحقیق میں جدید تاریخوں اور آثار قدیمہ کے جدید اکتشافات کی روشنی سے کام لیکر پندرہ سو سال کے تاریخی ابہام کو دور کیا اور ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج جیسے اہم تاریخی حقائق کے مصداق کو متعین کر کے اپنے تمام معاصر مفسرین سے داد تحسین حاصل کی۔

ترجمان القرآن کی یہ تاریخی تحقیقات سند کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں ترجمان القرآن کی مختلف علمی، ادبی اور تاریخی خصوصیات پر مولانا اخلاق حسین قاسمی کی کتاب مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت قابل مطالعہ ہے۔

مولانا آزاد کی صحافت پر، ادب پر، سیاست وعزیمت پر سینکڑوں کی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں لیکن مولانا کے قرآنی فہم پر ایک دیوبندی عالم نے جو کچھ لکھا وہ حرف اول بھی ہے اور حرف آخر بھی۔

یہ بھی واضح کردوں کہ ترجمان القرآن پر یہ تبصرہ مولانا آزاد کے سو سالہ جشن یعنی آزاد صدی کے موقعہ پر پاکستان کے آزاد پسندوں کی طرف سے شائع کیا گیا۔

اسی طرح ترجمان القرآن کی تیسری جلد (سورہ نور سے آخر تک) بھی پاکستان کے ایک عالم شیخ التفسیر محمد عبدہٗ نے بے مثال عرق ریزی کر کے مرتب کی۔

اس ترتیب میں مرتب نے مولانا آزاد کے اخباری مضامین اور مقالات میں سے آیات قرآنی کے بکھرے ہوئے موتیوں کو چن کر ایک لڑی میں پرودیا۔

وہ آیات جن کا ذکر مولانا کے مضامین میں نہیں ملا ان کا ترجمہ مولانا کے اسلوب میں تحریر کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی۔

ہر آیت جس مضمون سے نقل کی گئی اس پر لائن کھینچ دی گئی اور حاشیہ میں الہلال یا البلاغ کا حوالہ تاریخ کے ساتھ دیدیا گیا۔

(مطبوعہ اسلامی اکیڈمی لاہور)

یہ ایسی تحقیقی کاوش ہے جسے مولانا علیہ الرحمہ کا روحانی تصرف ہی کہا جا سکتا ہے افسوس کہ ترجمان القرآن کا یہ تیسرا حصہ ہندوستان میں ابھی تک طبع نہیں ہوا حالانکہ اس کی اشاعت کو بیس برس (۱۹۸۲ء) ہو چکے ہیں۔

مولانا آزاد کا دم بھرنے والے کس منہ سے ہندوستانی حکمرانوں کی شکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے جلدی ہی مولانا کو فراموش کر دیا، جبکہ خود ان آزاد پسندوں کی مولانا مرحوم کی طرف سے بے توجہی کا یہ حال ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

تیسری جلد میں بعض سورتوں (سورہ نور، والتین، القدر، سورہ العصر) کا ترجمہ اور تفسیر دونوں مولانا آزاد کی تحریر کردہ ہیں۔

سورہ والتین کی تفسیر بیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، یہ تفسیر مولانا مرحوم نے مولانا مظہر الدین شیر کوٹی ایڈیٹر الامان کی تفسیر والتین کے جواب میں تحریر کی ہے مولانا مظہر الدین صاحب کی یہ تفسیر مولانا آزاد نے اپنے اخبار البلاغ میں شائع کی اور اس کے بعد ایک سائل کے جواب میں اپنی تفسیر شائع کی جو شیر کوٹی صاحب کی تفسیر کا جواب ہے۔

سورہ والتین کی مفصل تحقیق میں مولانا نے لغت عربی، علم کلام،

قدیم وجدید مفسرین کے اقوال اور تفسیر القرآن بالقرآن اور احادیث صحیحہ کا جو بیش قیمت مواد جمع کیا ہے اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنی تفسیر میں جس "البیان" کا حوالہ دیا ہے اگر وہ وجود میں آجاتی تو علم تفسیر کا کتنا عظیم تحقیقی ذخیرہ امت کے ہاتھوں میں ہوتا۔

افسوس "البیان" کے مسودات برطانوی حکومت کی غارت گری اور بار بار کی تلاشیوں میں ضائع ہو گئے۔

ترجمان القرآن کی تیسری جلد کے سلسلہ میں مولانا آزاد کے مشہور مداح مولانا غلام رسول مہر نے بھی باقیات ترجمان القرآن کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا لیکن مذکورہ بالا کوشش اس سے زیادہ کامیاب معلوم ہوتی ہے۔

قصص القرآن مولانا آزاد!

مولانا اخلاق حسین قاسمی نے بتایا کہ ترجمان القرآن کے قصص انبیاء والے حصوں کو موصوف نے قصص القرآن مولانا آزاد کے نام سے مرتب کر لیا ہے جو اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتابوں سے اہم ہوگا کیونکہ قرآنی واقعات کو جدید تاریخی تحقیقات کی روشنی میں ترتیب دینے میں مولانا آزاد کی کاوش تمام قدیم وجدید مفسرین پر فوقیت رکھتی ہے۔

ترجمان القرآن کی ایک اہم خصوصیت فکر ولی اللہی کی دعوت!

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے اپنی کتاب مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت میں ترجمان القرآن کی اس اہم خصوصیت کی پوری

وضاحت کی ہے کہ یہ تفسیر ہندوستانی مسلمانوں کی ضرورت کے تعلق سے فکرولی اللہی کی دعوت دیتی ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ کے تجدیدی فکر کی بنیادی دعوت یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنے تاریخی وطن ہندوستان کو صرف ایک رہائشی اور پیدائشی وطن نہ سمجھیں بلکہ اس ملک کو ایک امت داعی کی حیثیت سے مقام دعوت اور دائرہ تبلیغ وخدمت کے طور پر اہمیت دیں اور اسے اپنی توجہ کا مرکز قرار دیں۔

یہ تصور ملک کی دوسری قوموں کے ساتھ محاذ آرائی کا نہیں بلکہ رفاقت وتعاون کا ہے، اپنے عزیز وطن کے ساتھ غیریت اور اجنبیت کا نہیں، اپنائیت کا ہے اسی نقطہ نظر سے شاہ صاحب نے وحدت دین کے قرآنی تصور کو ابھارا۔

خلافت کی بحث میں اسلامی سیاست کے لئے خدمت اور عدل ومساوات کے کردار کی اہمیت پر زور دیا، آقائیت اور حاکیت کے تصور کی سخت الفاظ میں مذمت کی اور اپنے گرتے ہوئے دینی کردار کے ساتھ اس قسم کے تصور کو "پدرم سلطان بود" کا مضحکہ خیز نعرہ قرار دیا۔

اسی کے ساتھ شاہ صاحب نے مسلمانوں میں مسلکی اتحاد قائم کرنے کی غرض سے فقہ کے چار مکاتب فکر میں تقلید کے انحصار کو تسلیم نہیں کیا۔

ہندستان کو مقام دعوت کی نظر سے دیکھنے کے لئے شاہ صاحب کے جانشین صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے قدیم ہندو مذہب کو توحیدی

مذاہب میں شامل کیا اور اسی تصور کے ساتھ ہندوستان کی محروم قوموں کو مخاطب کرنے کے لئے طریقہ نبوی کی ضرورت کا اظہار کیا۔

یہ وہی نبوی طریقہ کار ہے جو داعی برحق ﷺ نے اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے اختیار کیا اور اس میں تالیف قلب اور رواداری کو ملحوظ رکھا۔ اسی ولی اللہی فکر کے مطابق ترجمان القرآن کے فاضل مصنف نے اسلام کے سیاسی مسائل جہاد اور جزیہ وغیرہ کی تشریح اسلام کے مستقل اصول امن کے تحت کی۔

مولانا آزاد کے قلم سے امن وسلامتی کے مستقل اسلامی پیغام کی یہ تشریح اس فارسی شعر کی مصداق ہے۔

خشک است کشت شیوۂ تحریر رفتگاں
سیرابش از نم رگِ ابر قلم کنم

(مرزاغالب)

تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی!

مشہور مفسر قرآن مولانا حمید الدین فراہی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم نے اپنے استاد محترم کے خاص تفسیری ذوق وذہن کے مطابق یہ عظیم تفسیر تحریر کی اور تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر قرآن کریم کے خاص الہٰی ادب کی بلاغت اور کلام حق کے خاص حکیمانہ پیرایہ بیان کو بڑے موثر اردو ادب کے ذریعہ واضح کیا۔

مولانا فراہیؒ قرآن کریم کی آیات وسور میں ربط قائم کرنے اور

اہل کتاب کے واقعات کی مستند تشریح کرنے میں ایک انفرادی کمال رکھتے ہیں۔ تدبر قرآن کی پہلی جلد ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔

تفسیر نظام القرآن کے نام سے مولانا فراہی نے چند سورتوں کی تفسیر عربی میں لکھی جسے تفسیر فراہی کے نام سے اردو ترجمہ (مولانا امین احسن اصلاحی) کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

تفسیر قرآن، تفسیر ماجدی!

یہ تفسیر پہلے انگریزی میں اور اس کے بعد اردو میں شائع ہوئی ہے اور اس کے مصنف نے بھی اسی ترتیب سے اس اہم تفسیر کو تحریر کیا ہے۔

اردو تفسیر لکھنؤ سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔

مولانا عبد الماجد دریا آبادی صاحب طرز اردو ادیب اور علوم مشرق و مغرب کا بہترین سنگھم تھے، مولانا مرحوم جہاں کفر والحاد کی وادیوں میں بھٹکے ہیں وہیں مرحوم نے دبستان ایمان کی شمیم آرائیوں سے بھی مشام جاں کو معطر کیا ہے۔

اس لئے مولانا مرحوم جانتے تھے کہ موجودہ ذہن شک وریب کے کانٹوں سے کہاں کہاں زخمی ہوتے ہیں، مولانا نے ان تمام مقامات کی بڑے مدلل اور معقول انداز میں تشریح کا حق ادا کیا ہے۔

توراۃ وانجیل کے مستند حوالوں اور جدید مغربی مصنفین کی کتابوں سے قرآن کریم کے قصص وواقعات کی تشریح اس تفسیر کا خاص موضوع ہے۔

مولانا کے نزدیک بیان القرآن تمام تفسیروں کی سرتاج تفسیر

ہے مگر جہاں مولانا بیان القرآن سے مطمئن نہیں ہوتے وہاں اس سے الگ ہو جاتے ہیں چنانچہ سورۂ مائدہ (آیت ۱۸) کے ترجمہ وتشریح میں مولانا نے بیان القرآن کے بجائے مولانا ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ اختیار کیا ہے۔

مولانا دریا آبادی مرحوم اپنے شیخ تھانوی کی تفسیر کے علمی اور صوفیانہ نکات ولطائف کے بڑے مداح ہیں لیکن حضرت سلیمانؑ اور بلقیس کے واقعہ (سورہ نمل ۴۴) کی تفسیر کرتے ہوئے شیشے کے فرش پر بلقیس کے چلنے اور پانی کے دھوکے میں اپنے کپڑے اوپر اٹھانے کے واقعہ سے ایک فقہی مسئلہ کا استنباط تفسیر مظہری کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

یہ فقہی استنباط ایک جلیل القدر پیغمبر کے تعلق سے نہایت غیر ثقہ معلوم ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے جو تفسیر کی ہے وہ ایک مقدس رسول کی شان عصمت وعظمت کے مطابق ہے، دریا آبادی صاحب کو اپنے شیخ کی تفسیر سے تجاوز کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

علماء دیوبند کی تفسیری خدمات میں بیان القران کا درجہ اس پہلو سے بھی بہت بلند ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اسرائیلی روایات اور یہودی خرافات سے اپنی تفسیر کو پاک صاف رکھا ہے۔

چنانچہ لبید ابن اعصم یہودی کے جادو کی اسرائیلی روایت کو اردو مفسرین نے کسی نہ کسی حد تک قبول کیا ہے مگر حضرت تھانوی کے ذوق ایمانی نے اس روایت (امام ثعلبی) کو بالکل مسترد کر دیا ہے۔

عصمت نبوت اور تقدس رسالت کا یہ ذوق کامل حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی کا ورثہ ہے جو لبید ابن اعصم کے واقعہ سحر کی تنقید میں حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری کی تقریر بخاری میں نظر آتا ہے اور حضرت تھانوی کے تفسیری مقامات میں جلوہ گر محسوس ہوتا ہے۔

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے مستند موضح قرآن کے حواشی (تفسیر معوذتین) میں اس اہم مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔

تفہیم القرآن، مولانا ابو الاعلی مودودیؒ ۱۹۵۱ء

یہ تفسیر جدید مغربی علوم سے متاثر ذہن ودماغ کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کرتی ہے اور انہیں مطمئن کرنے کی کامیاب کوشش کرتی ہے۔

مولانا مودودی جدید تعلیم کے ساتھ قرآن وحدیث کی تعلیم میں اپنے عہد کے مشہور علماء کی شاگردی کا شرف رکھتے تھے۔

حدیث کے اسباق مولانا نے حضرت تھانوی کے خلیفہ ارشد اور عربی علوم کے مشہور فاضل مولانا اشفاق الرحمان کاندھلوی سے پڑھے اور معقولات کا درس اس دور کے مشہور معقولی عالم مولانا شریف اللہ صاحب سرحدی استاد مدرسہ عالیہ فتحپوری دلی سے لیا۔

تفسیر بیضاوی کچھ دنوں مولانا عبد السلام نیازی دہلوی سے پڑھی مولانا مرحوم اسلام کے اجتماعی نظام کی اشاعت اور اس کے عملی قیام کے داعی تھے اس لئے ان کی تفسیر میں انفرادی اور سماجی مسائل کے ساتھ اجتماعی مسائل پر زیادہ زور نظر آتا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے مودودی صاحب کے افکار پر نقد کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ مودودی صاحب کی تحریر و تحریک سے اسلام ایک سیاسی مذہب کے طور پر سامنے آتا ہے حالانکہ اسلام انفرادی، معاشرتی اور اجتماعی فلاح کا ایک متوازن اور مرتب نظام حیات ہے۔

قصص القرآن مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ۱۹۴۱ء

مولانا اخلاق حسین قاسمی نے اپنی اہم تفسیری کتاب "محاسن موضح قرآن" میں حضرت داوٗد علیہ السلام کی آزمائش کے واقعہ میں اسرائیلی روایات پر تنقید کرتے ہوئے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے قصص القرآن کے حوالہ سے مولانا مرحوم کے قرآنی ذوق سلیم پر روشنی ڈالی ہے۔

قصص القرآن قرآن کریم کی آیات قصص و واقعات انبیاء علیہم السلام پر ایک مستند کتاب ہے۔

مولانا مرحوم نے قرآن کے بیان کردہ واقعات کو نہایت تحقیق اور تنقید کے ساتھ سلیس اردو میں بیان کیا ہے اور ندوۃ المصنفین دلی کی مطبوعات میں یہ کتاب (۴ حصوں میں) بڑی مقبول دینی اور تاریخی کتاب ہے۔

سورہ ص (آیت ۲۵) وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ. یعنی حضرت داوٗد علیہ السلام نے عبادت الٰہی کے لئے تخلیہ کا دن مقرر کر رکھا تھا اس خاص تخلیہ میں دو شخص دیوار پھاند کر اندر آگئے اور حضرت داوٗد کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا۔

اس غیر معمولی واقعہ کو حضرت داؤد نے اپنے حق میں ایک فتنہ (ابتلاء) سمجھا اور خدا کے حضور میں استغفار کیا۔

اس فتنہ کی تاویل میں یہودی لٹریچر میں بڑی بے ہودہ باتیں نقل کی گئی ہیں جو حضرت داؤد کی شان نبوت کے خلاف ہیں۔

علماء محققین نے ان کو بالکل رد کر دیا ہے اور مولانا کے بزرگوں مولانا تھانوی اور مولانا عثمانی صاحبان نے اس تاویل (ایک یہودی خاتون اوریا کے ساتھ محبت) کے علاوہ دو صحیح تاویلیں کی ہیں، مگر مولانا نے فکر ولی اللہی (اجتماعی ذمہ داری قیام عدل وانصاف) کے مطابق یہ تاویل اختیار کی ہے کہ حضرت داؤد ایک دینی رہنماء کے علاوہ بنی اسرائیل کے حاکم عدل (خلیفۃ اللہ) بھی تھے اور اس حیثیت سے آپ کا ایک دن مخلوق خدا سے الگ رہنا خدا کو پسند نہیں تھا۔

ایک حاکم انصاف کا دروازہ مظلوموں کی داد رسی کے لئے ہر وقت کھلا رہنا چاہئے تھا خدا تعالیٰ نے ایک غیر معمولی واقعہ نمودار کر کے اس بات پر حضرت داؤد کو تنبیہ فرمائی۔

تعجب ہے کہ اوریا کے ساتھ حضرت داؤد کی محبت کے جھوٹے افسانہ کو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے تاویل کے ساتھ قبول کر لیا ہے جبکہ اہل تحقیق مفسرین نے اس موضوع اثر کی مکمل تردید کی ہے۔

کلکتہ کے دو عظیم مفسر!

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کا جس زمانہ

میں کلکتہ کے اندر قیام تھا اس وقت یہ دونوں عالم الگ الگ مساجد میں تفسیر قرآن بیان کرتے تھے اور حکیم محمد زماں قاسمی (کلکتہ والے) جو خود کولوٹولہ کی جامع مسجد میں تفسیر قرآن بیان کرتے تھے اور ایک صاحب نظر مفسر قرآن کی حیثیت سے حلقہ علماء میں مشہور تھے وہ فرماتے تھے کہ ان دونوں عالموں کے تفسیری حلقے دور دور شہرت رکھتے تھے اور دونوں کا الگ الگ رنگ تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے بیان میں تحقیقی رنگ ہوتا تھا اور مولانا حفظ الرحمٰن کی تفسیر میں خطیبانہ جوش ہوتا تھا جس سے سامعین کے دل میں قرآن کریم کی عظمت بیٹھ جاتی تھی۔

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب!

مولانا عبدالکریم پاریکھ (ناگپور) حلقہ علماء میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں مولانا علی میاں ندوی مرحوم کے روحانی مجاز ہیں، صاحب نعمت ہیں، بڑی تجارت کے مالک ہیں، قرآن کریم کی خدمت بڑے خلوص سے انجام دے رہے ہیں قرآن کریم کا اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں عام فہم ترجمہ کیا ہے اور اپنی طرف سے چھپوا کر دونوں تراجم پھیلا دیئے ہیں۔

مولانا پاریکھ صاحب کے ترجمہ کے دوسرے ایڈیشن (۱۹۹۴) پر جو تقاریظ تحریر ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے ترجمہ کا پہلا ایڈیشن کچھ قابل اعتراض الفاظ پر مشتمل تھا اس لئے اسے منسوخ کر کے علماء تبحرین کی تصحیح اور تحقیق کے بعد دوبارہ شائع کیا گیا اور اس تصحیح میں

مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مرحوم مفتی دار العلوم دیو بند کی تحریر کے مطابق مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے قابل اعتراض الفاظ کی جگہ صحیح الفاظ و محاورات تحریر کرنے میں خاص طور پر محنت کی اور مولانا قاسمی کی تجویز کے مطابق اس ترجمہ کا نام "تشریح القرآن" رکھا گیا۔

کنز الایمان، مولانا احمد رضا خاں صاحب ۱۹۱۱ء ۱۳۳۰ھ

بر صغیر کے سنی مسلمانوں (ان کی اپنی تحریر کے مطابق) کے عظیم مذہبی رہنما مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم نے کنز الایمان کے نام سے اپنی بریلوی اردو میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔

مولانا مرحوم ایک جید عالم دین تھے۔ مخالف بدعات طبقہ کی طرف سے رسول پاک ﷺ کی بشریت، علم غیب وغیرہ کے فروعی اعتقادی مسائل میں انتہاء پسندانہ تعبیرات کے رد عمل میں مولانا مرحوم نے رسول پاکؐ کی عظمت و عصمت سے متعلق آیات کے تاویلی ترجمہ میں سلف صالحین سے بالکل مختلف راہ اختیار کی۔

حالانکہ ان تاویلات کا محل قرآن کریم کے متن کا ترجمہ نہیں بلکہ اس کا تشریحی حاشیہ ہے۔

چنانچہ مولانا مرحوم کے فاضل شاگرد مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے اس ترجمہ کے حواشی میں اپنے عقائد داخل کئے ہیں اور اپنے مخالفین کا رد کیا ہے۔

مولانا بریلوی کے بارے میں ان کے ہم عصر مقابل مولانا

اشرف علی تھانوی کا یہ قول مشہور ہے کہ مولانا پر عشق رسول کا غلبہ تھا۔
دونوں فرقوں (دیوبندی، بریلوی) کے اختلافی مسائل کو اگر غور سے دیکھا جائے تو زیادہ تر اختلاف لفظی معلوم ہوتے ہیں، حقیقی نہیں۔
ان اختلافات کو کاروباری سطح پر لانے والے پیشہ ور واعظ ہیں، خانصاحب کا یہ ترجمہ سن تالیف کے لحاظ سے ڈپٹی نذیر احمد کے بامحاورہ ترجمہ کے بعد پہلا اردو ترجمہ ہے، شیخ الہند کے ترجمہ کی تالیف کا سن ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۷ء ہے۔
مولانا احمد رضا خاں کے انداز تحریر میں جو سختی پیدا ہوئی وہ دراصل حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید علیہ الرحمہ کی مشہور اصلاحی کتاب (تقویت الایمان) کے لب ولہجہ کا شدید رد عمل معلوم ہوتا ہے۔
لیکن مولانا مرحوم نے تمہید الایمان کے نام سے آخر عمر میں جو کتاب لکھی اس میں مولانا شہید پر لگائے گئے فتوی کفر سے رجوع کیا اور اپنی جماعت کے لوگوں کو بھی اس سے باز رہنے کی تلقین کی۔

ہندی تراجم وتفاسیر!

ہندی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کی ضرورت اظہر من الشمس ہے اس ضرورت کو جماعت اسلامی کے فاضل ہندی مصنف مولانا فاروق احمد خاں نے پورا کیا، مولانا ہندی کے بہترین ادیب ہیں۔
دوسرا ترجمہ صاحبزادہ مولانا ارشد میاں صاحب استاد حدیث دارالعلوم دیوبند نے بڑی محنت اور اہل زبان کے تعاون سے ترتیب دیا، جو برابر شائع ہو رہا ہے۔ البتہ خواجہ حسن نظامی صاحب کے ہندی ترجمہ کو تقدم حاصل ہے

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تحریک قرآن!

پاکستان میں شاہ ولی اللہ کی تحریک دعوۃ بالقرآن، اشاعت ترجمہ قرآن اور تفسیر قرآن کے موجودہ داعی اور سرگرم محرک ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہیں۔

ڈاکٹر صاحب ایک جدید تعلیم یافتہ آدمی ہیں مگر موصوف نے مولانا ابوالاعلی صاحب مودودیؒ کی تربیت میں اسلامی لٹریچر، قرآنی تفاسیر اور مودودی صاحب اور مولانا ابوالکلام آزاد کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کر کے قرآن کریم پر لکھنے اور تقریر کرنے کی قدرت حاصل کرلی، اس کا اعتراف موصوف کی تحریروں میں موجود ہے۔

ڈاکٹر صاحب جس مکتب فکر کے آدمی ہیں اس کا اندازہ موصوف کے اس نظریہ سے ہوتا ہے جس کی اشاعت ڈاکٹر صاحب اپنی تقریروں اور تحریروں میں مسلسل کرتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی علیہ الرحمہ اس دور کے مجدد تھے اور آپ کا تجدیدی کارنامہ آپ کے لائق و فائق تلامذہ کی مقتدر جماعت ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنی تحریروں میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی دونوں کو حضرت شیخ الہند کا جانشین قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریک، قرآن کالج، قرآن اکیڈمی پاکستان میں عقائد شنیعہ کی اصلاح کا نہایت سنجیدہ اور مؤثر ذریعہ ہے۔

تذکیرالقرآن!

مولاناوحیدالدین خاں صاحب

تفسیرقرآن کے تذکرہ میں مولانا وحیدالدین خاں صاحب (تحریک الرسالہ نظام الدین دلّی) کاذکرخیر نہ ہو یہ کوئی اچھی بات نہ ہوگی۔

مولانا موصوف کے نظریات سے اختلاف الگ بات ہے اور مولانا کے اس نظریہ کو کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان میں بے مسائل (بے حقوق) ہوکر رہیں گے تو انہیں اس ملک میں امن نصیب ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ آنے والا مورخ پسپائی، ہزیمت اور بزدلی کے کونسے درجہ میں رکھے گا یہ وہی جانے؟

بہر حال مولانا نے تذکیر القرآن کے نام سے دو جلدوں میں قرآن کریم کاترجمہ یاترجمانی یاحاصل مطلب تحریر کیاہے۔

چونکہ مولانا کے نظریات بہت بدنام ہوچکے ہیں اس لئے تذکیر القرآن کا مسلمانوں میں کوئی چرچا نہیں ہے۔

غیرمعروف اردوتراجم وتفاسیر!

قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کی خدمت بڑی سعادت ہے مولانا انورشاہ صاحب کشمیری آخر عمر میں فرماتے تھے کہ مجھے اب احساس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی ساری عمر قال ابوحنیفہ اورقال الشافعی میں گذاردی۔

اے کاش! میری ساری عمر قال اللہ تعالی میں گذرتی اور میں قرآن کریم کی خدمت میں لگارہتا۔

ترجمہ حضرت مفتی عزیزالرحمان عثمانی علیہ الرحمہ

یہ ترجمہ دارالعلوم دیوبند کے مشہور مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی نے مرتب کیا ہے راقم (اخلاق حسین قاسمی) جب حضرت شاہ صاحب کے موضح قرآن کو ایڈٹ کررہا تھا اس وقت حضرت مفتی عتیق الرحمان ابن مفتی عزیز الرحمان صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ اس ناچیز کو دکھایا تھا جو ان کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ تھا۔

اس ترجمہ کے بارے میں خاندان عثمانی کے فاضل گرامی قدر صاحبزادے مفتی فضیل الرحمان صاحب عثمانی (مالیر کوٹلہ) نے اپنے ماہنامہ دارالعلوم (مارچ ۱۹۹۴ء) میں لکھا تھا۔

"تفسیر جلالین کا یہ اردو ترجمہ مطبع ریاض ہند اکبر آباد آگرہ سے محمد عنایت خاں کے زیر اہتمام ۱۳۱۴ھ ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا تھا۔

اس میں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر صاحب کے دو تراجم ہیں اور حاشیہ پر ترچھی لکھائی میں ایک طرف تفسیر حسینی ہے اور دوسری تفسیر جلالین کا ترجمہ (بقلم مفتی عزیز الرحمان) ہے۔

اس ترجمہ کو مفتی صاحب کے پوتے مفتی فضیل الرحمان صاحب اپنے تشریحی حواشی کے ساتھ شائع کررہے ہیں خدا کرے یہ اہم کام مکمل ہو چکا ہو۔

راقم نے ۱۹۹۴ء میں مفتی صاحب مدظلہ کو اس کام کے سلسلہ میں کچھ مخلصانہ مشورہ دیئے تھے جن پر موصوف نے توجہ فرمائی تھی۔

مفتی فضیل صاحب مشرقی پنجاب کی سرزمین پر جس سنجیدگی

اور وقار کے ساتھ دینی خدمت انجام دے رہے ہیں اس میں ان کے خاندان کا روحانی وقار نظر آتا ہے۔

اس ناچیز کا اس تاریخی سابق مسلم ریاست سے قلبی تعلق ہے نوابی عہد میں میرے ایک دادا (حافظ صدر الدین صاحب) اس شہر میں قرآن کریم کی تعلیم کا ایک بڑا مدرسہ چلاتے تھے، نواب صاحب کے مصاحبین میں شامل تھے، شاہی قبرستان میں ان کا مزار مسلمانوں کی عقیدت کا مرجع ہے۔

سن ۶۵ء میں ایک دینی اجتماع کے سلسلہ میں مجھے مفتی صاحب کے دینی کاموں کے انداز کو دیکھنے کا موقعہ ملا تھا۔

ترجمہ نور القلوب، مولانا محمد حیات سنبھلیؒ

یہ ترجمہ مدرسہ حیات العلوم مراد آباد کے بانی نے مرتب کیا ہے، اس میں دو ترجمے جمع کئے گئے ہیں، پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدین کا ہے، دوسرا تھانوی صاحب کا ہے اس پر تفسیری حواشی مولانا حیات صاحب کے ہیں۔

یہ ترجمہ محرم سن ۱۳۴۵ھ میں مکمل ہوا اور ۱۳۷۳ھ میں مطبع مجیدی کانپور سے شائع ہوا، لیکن یہ ترجمہ مقبول نہ ہوسکا اور الماری کی زینت بن کر رہ گیا۔

تعجب ہوتا ہے کہ کیسے کیسے علمی کارنامہ ان کے اخلاف کی بے توجہی کے سبب گوشہ گمنامی میں چلے گئے۔

خدمت قرآن کریم کے جذبہ سے اہل ایمان وخلوص نے بڑی بڑی ضخیم تفسیریں تحریر کی ہیں جن میں سے بعض اہم تفسیریں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ خلاصۃ التفاسیر (۵ جلدوں میں) از مولانا فتح محمد تائب لکھنوی وفات ۱۳۶۳ھ

۲۔ مواہب الرحمٰن (تیس ضخیم جلدوں میں) ازمولانا امیر احمد ملیح آبادی وفات ۱۳۳۶ھ

۳۔ تفسیر ثنائی (۷ جلدوں میں) از مولانا ثناء اللہ امرتسری (اہل حدیث) وفات ۱۳۶۱ھ

۴۔ غایۃ البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر شاہی) از مولانا حکیم محمد حسن امروہوی وفات ۱۳۲۴ھ

پاکستان کے علماء نے بعض تفسیریں بڑی ضخیم تحریر کی ہیں، لیکن ان تفاسیر میں قدیم تفاسیر کی نقل وروایت کے سوا کچھ نہیں۔

آخر میں یہ ناچیز اس امر کا اعتراف واظہار ضروری سمجھتا ہے کہ اس تحقیقی مضمون کی ترتیب اور تکمیل میں حضرت مولانا سید اخلاق حسین صاحب قاسمی کا گہرا تعاون اس ناچیز کو حاصل رہا ہے البتہ مولانا موصوف کی سادہ مزاجی اور آپ کے اخلاق کریمانہ کے پیش نظر یہ ناچیز مولانا کا رسمی شکریہ ادا کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کر رہا ہے۔

والحمدللہ علی ذلك

موضح قرآن کی سند اجازت اور

مولانا علی میاں ندویؒ کے خاندان کی فضیلت

یہ شرف وافتخار مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کے خاندان کو حاصل ہے کہ مولانا مرحوم کے والد مولانا عبدالحی صاحب کی نانی سیدہ حمیراء صاحبہ کو شاہ صاحب کی صاحبزادی نے اپنے والد کے ترجمہ وتفسیر موضح قرآن کی باقاعدہ سند اجازت عطاء کی (نزہۃ الخواطر ۷، ۲۹۶)

غالباً یہ اس سفر حج کا واقعہ ہے جو حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں کیا گیا تھا۔

اس ناچیز کے دل میں موضح قرآن کی اہمیت اس وقت اور زیادہ قائم ہوئی جب اس نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے تعلیمی اجلاس (۳۱ر اکتوبر ۱۹۷۵ء) کے موقعہ پر لگائی گئی تعلیمی نمائش کے اندر ہندوستان کی نادر اور نایاب کتابوں کی فہرست میں شاہ عبدالقادر صاحب کے موضح قرآن کو سب سے اوپر دیکھا۔

مولانا ندوی مرحوم مفتی عتیق الرحمان صاحب کے ساتھ ادھر سے گذرے تو مفتی صاحب نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا یہ دیکھئے آپ کی دل چسپی کی چیز موضح قرآن کی کیا اہمیت ہے۔

پھر مولانا ندوی سے فرمایا۔

یہ مولوی صاحب موضح قرآن پر کام کر رہے ہیں، ندوی صاحب نے جواب دیا میں نے موضح قرآن پر ان کے بعض مضامین پڑھے ہیں۔

وہ اردو تراجم جو ناپید ہو گئے

ا۔ ترجمہ مرزا حیرت دہلوی جو ۱۹۱۱ء میں چھپا، یہ ترجمہ اصل میں مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے مرتب کیا جسے مرزا حیرت نے لکھوایا اور اپنے نام سے شائع کیا۔

۲۔ ترجمہ شاہ رؤف احمد مجددی رام پوری، مجاز طریقت شاہ غلام علی صاحب مجددی (دہلوی) (سن طباعت ۱۸۲۳ تا ۱۸۳۲ء)

۳۔ ترجمہ مولانا وحید الزماں صاحب (اہل حدیث حیدر آبادی) سن طباعت ۱۹۰۵ء بنام تفسیر وحیدی امرتسر اسے حال میں مولانا عبدالصمد رحمانی نے ذاکر نگر سے شائع کیا۔

۴۔ ترجمہ مولانا احتشام الدین مراد آبادی (اہل حدیث) سن طباعت ۱۸۸۵ء مراد آباد

۵۔ ترجمہ مولانا فخر الدین قادری، تفسیر قادری کے نام سے لکھنؤ میں ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا۔ بعض مطابع نے اس ترجمہ کو شاہ عبدالقادر صاحب کے موضح قرآن کے نام سے شائع کیا۔ مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے کراچی سے شائع ہونے والے اس ترجمہ کے مقدمہ میں اس غلط فہمی کو دور کیا۔

۷۔ ترجمہ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

۸۔ ترجمہ منظوم اردو، علامہ سیماب اکبر آبادی۔

۲ر جولائی ۱۹۹۹ء

تقابلی مطالعہ کا مقصد

اردو تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جیسے جامع اور وسیع المعانی عربی کلام حق کے گہرے معارف وغوامض کا علم حاصل ہو۔

عجمی زبان (فارسی اردو) کے مترجم صاحبان اپنے اپنے ذہن وذوق کے مطابق قرآن کریم کے ان جامع المعانی الفاظ اور محاورات کا ترجمہ کرتے ہیں اور ان مختلف تراجم سے قرآن کریم کی لسانی اور ادبی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

اس میدان میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بڑے درجہ کے صاحب علم وفضل مترجم کے مقابلہ میں اس سے کم درجہ کے عالم پر قرآن کریم کے مرادی معنی منکشف ہو جاتے ہیں اور اس کامیابی کو صاحب کلام (خداوند عالم) کا فضل وکرم ہی کہا جاسکتا ہے، لیکن اس کامیابی سے اس بڑے عالم کی علمی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس لئے تراجم قرآن کریم کے اس مطالعہ کا مطلب یہ نہ لینا چاہئے کہ یہ کام اکابر علم واتقاء کے درمیان موازنہ اور مقابلہ کرنے کا ہے بلکہ خداتعالی کے کلام عربی کی گہرائی اور پہنائی کو سمجھنے کا ہے۔

اس کی ایک مثال!

بے حساب رزق، بے شمار و بے گمان روزی

قرآن کریم کی مشہور آیت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ

بِحِسَابٍ اللہ تعالی جس کو چاہتا ہے بے شمار اور بے قیاس روزی عطا کرتا ہے۔

یہ ترجمہ عربی لفظ حساب کے مادہ میں جو دو مفہوم پائے جاتے ہیں اس کے مطابق کیا گیا ہے۔

حسب شمار کرنا اور گمان کرنا دونوں مفہوم رکھتا ہے اور قرآن کریم میں یہ دونوں مفہوم موجود ہیں۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَّسِيْراً (انشقاق ۸)

ان اہل ایمان کے اعمال کا حساب اور شمار بہت آسانی سے کیا جائے گا۔

الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا (عنکبوت ۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ وہ صرف زبان سے کلمہ توحید کہنے کے بعد چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں ہوگی۔

لفظ حساب اسی مادہ سے حاصل مصدر ہے۔

اب عجمی زبانوں (فارسی، اردو) کے مترجم حضرات کو ان زبانوں میں ایک واحد لفظ ایسا نہیں ملا جو یہ دونوں مفہوم ادا کرے۔

اس لئے بعض مترجم صاحبان نے حساب کا ترجمہ حساب ہی کے عربی لفظ سے کیا اور اکثر اہل تراجم نے بے شمار کا لفظ اختیار کیا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے ایک جگہ (آل عمران ۳۷) میں بے قیاس تحریر کیا اور دوسری آیات میں شاہ صاحب نے بھی بے شمار کا لفظ استعمال کیا، شاہ ولی اللہ نے ایک جگہ یعنی بسیار بھی بڑھادیا۔

اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

یہ آیت کریمہ سب سے پہلے سورہ مومن (مکی) میں جنت کی نعمتوں کے بارے میں مومن آل فرعون کی دوسری تقریر (آیت ۳۸ تا ۴۴) کے حوالہ سے بیان کی گئی۔

یہ شخص فرعون کا بھتیجا تھا، ابن عباس کہتے ہیں کہ فرعون کی قبطی قوم میں سے صرف دو شخص (فرعون کی بیوی اور یہ بھتیجا) ایمان لائے، یہ امت موسیٰ کے صدیق تھے، امت محمدیہ کے صدیق (ابو بکرؓ) نے انہی کے قول کا حوالہ دے کر حضور ﷺ پر حرم شریف میں قاتلانہ حملہ کرنے والوں کو متنبہ کیا تھا۔

اس شخص نے فرعون کی دھمکی (قتل موسیٰ) کے جواب میں اپنے مخفی ایمان کا اظہار کرتے ہوئے دو تقریریں کیں، دوسری تقریر میں یہ بھی کہا۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ. (۴۰)

جو شخص، مرد ہو یا عورت ہو، ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا، تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور انہیں بے شمار روزی دی جائے گی ظاہر ہے کہ جنت کی روزی اور اس کی نعمتیں بے شمار بھی ہوں گی اور بے سان و گمان بھی ہوں گی۔

آل فرعون کے اس مردِ مومن کی یہ تقریریں ظاہر ہے کہ اس کی اپنی مادری زبان (قبطی) میں ہوں گی، قرآن کریم نے اپنی زبان عربی میں ان تقریروں کی حکایت کی ہے۔

اس کے بعد یہ آیت سورہ آل عمران میں دو جگہ اور سورہ نور

میں ایک مقام پر نازل ہوئی۔ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں، سورہ نور پانچ ہجری میں اور سورہ آل عمران (۹) ہجری میں نازل ہوئی۔

آل عمران میں پہلی آیت!

آل عمران میں پہلی آیت اعلان توحید کے سلسلہ میں یہ بیان کی گئی قل اللهم مالك الملك توتی الملك...... وترزق من تشاء بغير حساب. (۲۷) اے مخاطب! اعلان واظہار کر اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کی سلطنت کا مالک ہے اور اعلان کر اس حقیقت کا کہ اے اللہ! تو ہی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی عطا کرتا ہے۔ اس سورۃ میں یہ آیت کریمہ بھی براہ راست اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس میں بندوں کو انہی الفاظ میں بے حساب روزی دیئے جانے کا اقرار کرایا گیا ہے۔

آل عمران میں دوسری آیت!

یہ دوسری آیت حضرت مریم صدیقہؓ کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے۔ حضرت مریم کے کفیل حضرت زکریاؑ نے جب ان کے سامنے ان کے حجرہ میں بے موسم کے پھل دیکھے تو ان سے ازراہ تعجب پوچھا۔

اَنّٰى لَكِ هٰذَا، قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران ۳۷)

اے مریم! یہ پھل کہاں سے آئے تو جواب میں مریم نے کہا۔

یہ پھل اللہ کی طرف سے آئے، بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے سان وگمان روزی عطا کرتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے تعجب کی دو وجہ ہوسکتی تھیں، ایک یہ وجہ کہ مریم کے اس خلوۃ کدہ میں کوئی شخص آتا جاتا نظر نہیں آتا تھا اور نہ کسی اجنبی کے آنے کی اس حجرہ خاص میں اجازت ہی تھی۔

دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ پھل فروٹ بے موسم کے ہوتے تھے اور اس کا مقصد حضرت مریم کی کرامت کا ظہور تھا۔

حضرت مریم کا یہ جواب بھی ان کی اپنی زبان (عبرانی) میں ہوگا، قرآن کریم نے زبان عربی میں بطور حکایت اسے بیان کیا ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس جگہ بغیر حساب کا ترجمہ موقعہ ومحل کے لحاظ سے بے قیاس کیا ہے، جبکہ دوسرے تمام حضرات بے شمار کے لفظ سے ترجمہ کررہے ہیں۔

شاہ صاحب کے ترجمہ کی ندرت!

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس مقام پر اپنے مجتہدانہ ذوق کا کمال دکھایا ہے اور موقع ومحل کے لحاظ سے بغیر حساب کا ترجمہ بے قیاس کیا ہے، کیونکہ حضرت مریم کو یہ جنتی پھل بے قیاس ملتے تھے، بے مقدار اور کثرت کے ساتھ نہیں ملتے تھے دوسری وجہ یہ کہ شاہ صاحب نے اس آیت میں اشارہ کردیا کہ حساب کے عربی لفظ میں قیاس وگمان کا مفہوم بھی موجود ہے۔

مولانا احمد سعید صاحب نے شاہ صاحب کے اس ترجمہ کی نزاکت اور اصابت کو سمجھا اور اسے اردو محاورہ دیدیا اور لکھا "بے سان

وگمان" دیتا ہے۔

سورہ نور کی آیت!

سورہ نور میں یہ آیت اللہ تعالی کا اپنا براہ راست کلام ہے خداتعالی نے اپنے عبادت گذار تاجر بندوں کی تعریف کرتے ہوئے اور آخرت کے دن ان پر جو اپنا فضل وکرم نازل کرے گا اس کا ذکر کرتے ہوئے یہ فقرہ کہا۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ.(نور ۳۸)

اللہ تعالی جس کو چاہتا ہے، بے شمار روزی عطا کرتا ہے، سیاق کلام کے اعتبار سے اس جگہ رزق سے جنت کی نعمتیں مراد ہیں، ظاہر ہے کہ جنت کی نعمتیں بے شمار بھی ہوں گی اور بے قیاس بھی ہوں گی۔

مفسرین کی تاویل!

عربی مفسرین نے بغیر حساب کی تاویل میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

ای رزقا واسعا بلا تبعة (جلالین) یعنی وسیع رزق جو بغیر استحقاق کے محض فضل خداوندی کی وجہ سے دیا جائے۔

مولانا تھانوی نے بغیر حساب کا ترجمہ بغیر استحقاق، صاحب جلالین کی پیروی میں تحریر کیا۔

عام طور پر اہل تراجم نے جلالین کی تاویل کو اختیار کیا۔

جلالین کے ایک نسخہ میں یہ لفظ (تعب، مشقت) تحریر ہے یعنی بلا مشقت دیتا ہے۔

بہر حال حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ عربی میں حساب ہی کا ایک لفظ ایسا ہے جو بے شمار اور بے گمان دونوں مفہوموں کو ادا کرتا ہے اس لئے قرآن کریم نے براہ راست کلام الٰہی کے موقع پر بھی اور دوسروں کے غیر عربی کلام کی حکایت کے موقعہ پر بھی اسے استعمال کیا۔

مولانا عتیق الرحمان سنبھلی کے علمی مکتوب کا جواب

مشہور صاحب قلم فاضل مولانا عتیق الرحمان صاحب سنبھلی (خلف الرشید مولانا محمد منظور نعمانی ؒ) کا ایک علمی مکتوب انگلینڈ سے ۸ر جولائی ۱۹۹۹ء کو موصول ہوا۔

مولانا موصوف کا علمی ذوق موجودہ سہولت پسندی کے دور میں قابل قدر اور طبقہ علماء کے لئے قابل تقلید ہے۔

موصوف نے اس مکتوب میں موضح قرآن شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی کی ایک تحقیق کے بارے میں ناچیز کو اس کی ایک فروگذاشت پر آگاہ کیا ہے۔

مجھے اس مکتوب سے بڑی خوشی اس بات پر ہوئی کہ تفسیر قرآن کریم کے تحقیقی مسائل پر غور و فکر کرنے والے اہل علم ابھی موجود ہیں اگرچہ خال خال ہی سہی۔ ہم تو بدقسمتی سے اس دور سے گذر رہے ہیں جس دور میں قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کے نہ صرف بے ضرورت ہونے بلکہ نقصان دہ ہونے کا پروپیگنڈہ ایک بڑی مذہبی جماعت کر رہی ہے اور جس گمراہ کن تصور کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان نے ختم کرنے کی زبردست کوشش کی وہ تصور انہی بزرگوں کے

نام لیوا امت کے اندر پھیلا رہے ہیں۔

مولانا سنبھلی صاحب نے اس مکتوب میں میرے مضامین کی زبان کے ثقیل ہونے کی شکایت کی ہے اور آسان زبان استعمال کرنے کا مشورہ دیا ہے تاکہ قارئین اس ناچیز کی تحقیقی محنت سے فائدہ اٹھا سکیں۔

بات ٹھیک ہے لیکن تحقیقی مضامین تفسیری میں ایک تو اصطلاحی اور فنی الفاظ شامل کرنے پڑتے ہیں دوسرے ماہناموں کے صفحات کی رعایت کر کے اختصار کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اس لئے مضامین کی زبان کو آسان اور واضح بنانا مشکل ہو جاتا ہے۔

ویسے یہ ناچیز اپنے عام مضامین اور عام مطالعہ کی کتابوں میں جو زبان استعمال کرتا ہے اور اپنے مواعظ و خطابات میں جو زبان بولتا ہے وہ دلی کی عام فہم زبان ہوتی ہے۔

مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے میری کتاب محاسن موضح قرآن کے مقدمہ میں میری حوصلہ افزائی کے لئے یہ تحریر کیا ہے کہ مولانا (ناچیز اخلاق حسین) اپنے تحقیقی مضامین و مسائل میں دلی کی اردو کا رنگ بھر کر انہیں ہر طبقہ کے افراد کے لئے قابل فہم بنا دیتے ہیں جس طرح مولانا کے واعظانہ خطابات میں مولانا احمد سعید دہلوی کی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی لال قلعہ کی اردو معلّٰی کا رنگ جھلکتا ہے۔

بہر حال میں مولانا سنبھلی کے مشفقانہ مشورہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں انشاء اللہ آئندہ اس بات کا خیال رکھوں گا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی دعاء

مجھے یاد آیا کہ جب میں نے سن (۵۰) میں کراچی کا دورہ کیا تو اس وقت مفتی محمد شفیع صاحب مسجد دار السلام فیریر روڈ کراچی میں درس تفسیر دیتے تھے اور مولانا کے مختصر حلقہ میں صبح کی نماز کے بعد دلی والوں کی ایک باذوق جماعت جمع ہوتی تھی کیونکہ یہ علاقہ زیادہ تر دلی والوں کی آبادی پر مشتمل ہے۔

اسی مسجد کے بالائی کمرہ میں مولانا کا دار الافتاء قائم تھا، مفتی صاحب نے ایک روز اسی کمرہ میں اپنے اس ناچیز شاگرد کو چاء کے ناشتہ پر مدعو کیا، دلی کی پراچہ برادری اور جوتے والوں کی برادری کے مخصوص افراد اس ناشتہ میں شریک تھے۔

مفتی صاحب نے دلی کی مجالس تراجم کا تذکرہ فرمایا اور خاص طور پر دلی کی عام فہم اردو زبان میں قرآنی لطائف و معارف کی تشریح کے تذکرہ میں مولانا احمد سعید صاحب کی عوامی زبان کی تعریف کی اور کہا کہ ہم اپنی مشکل علمی زبان میں قرآنی خطاب کو آسانی سے عوام کے دلوں میں نہیں بٹھا سکتے جس طرح مولانا احمد سعید صاحب مشکل سے مشکل آیت کا مطلب آسانی کے ساتھ عام مسلمانوں کو سمجھا دیتے ہیں۔

پھر فرمایا یہ مولوی صاحب (اخلاق حسین قاسمی) میرے شاگرد ہیں اور مجھے امید ہے کہ یہ دلی کی اس روایت کو باقی رکھیں گے اور اپنی آسان اور عام فہم زبان میں قرآن کریم کی تبلیغ کا فرض ادا کر کے ہمیں بھی

اس اجر و ثواب میں شامل کریں گے۔

مولانا موصوف نے میرے مضمون تحقیق آیت (بنی اسرائیل ۵۷) وماکنا معذبین کے بارے میں جس فروگذاشت کی طرف توجہ دلائی ہے وہ بالکل درست ہے، دراصل شاہ عبدالقادر صاحب عذاب ہلاکت اور عذاب غیر ہلاکت (بلاء) دونوں کی نفی کر رہے ہیں اور دنیوی حوادث و مصائب کو تنبیہات اور دھمکیوں سے تعبیر کر رہے ہیں جس طرح سورہ قمر (۲۹) میں کہا گیا فکیف کان عذابی ونذر، پھر کیسا رہا میرا عذاب اور میری دھمکیاں اور میرے ڈراوے

مطلب یہ ہے کہ خاتم الرسلؐ کے بعد اتمام حجت بالنبوۃ (جو کامل حجت ہے) کا دور ختم ہو گیا اور اس دور میں نافرمانوں پر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے جو حوادث نازل ہوتے ہیں ان کی حیثیت تنبیہات (نذر) کی ہے۔

مولانا سنبھلی صاحب نے ایک آیت کے ترجمہ میں مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کو دوسرے تراجم پر ترجیح دینے پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ڈپٹی صاحب کا ترجمہ بھی ڈپٹی صاحب ہے۔

اس سلسلہ میں اس ناچیز نے مولانا موصوف کو اردو تراجم کی رنگارنگیوں اور زبان کی نزاکتوں کی چند مثالیں دی ہیں اور یہ لکھا ہے کہ حضرت تھانوی کے چٹکلے کمال کے ہوتے تھے، حضرت مرحوم اپنی روحانی ثقافت کو برقرار رکھتے ہوئے دو۔دو لفظی چٹکلوں میں بڑی بڑی پر معانی

باتیں کہہ جاتے تھے۔

میرے خیال میں مولانا نے ڈپٹی صاحب کے ترجمہ کی عظمت بیان کی ہے، ایک ڈپٹی صاحب میں جو زور اور طنطنہ ہوتا ہے اور ایک قسم کی لاپرواہی ہوتی ہے وہی بات ڈپٹی صاحب کے ترجمہ کے اندر ہے۔

یہ ترجمہ اردو زبان کا پہلا با محاورہ اور ترقی یافتہ اردو کا بہترین نمونہ ہے البتہ اس ترجمہ میں بعض محاورات بازاری قسم کے آگئے ہیں جو کلام اللہ کی عظمت کے خلاف ہیں۔

مولانا تھانوی نے یہ ترجمہ بڑے غور سے پڑھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ترجمہ کے غیر مناسب محاوروں کی نشاندھی پر ایک کتابچہ بھی (اصلاح ترجمہ دہلویہ) تحریر کیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد جیسے اردو کے شہنشاہ اپنی تفسیر ترجمان القرآن کی ترتیب کے دوران ڈپٹی صاحب کے ترجمہ کا بغور مطالعہ کرتے تھے۔

وہ حمائل جو مولانا کے سامنے رہتی تھی، میں نے دیکھی ہے، سورہ دہر کی آیت **ویطعمون الطعام علی حبه** کا ترجمہ ڈپٹی صاحب نے خدا جانے کس موڈ میں کیا ہے۔

آخر ڈپٹی صاحب ٹھیرے، لکھتے ہیں۔

اور خدا کا حب کر کے یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (ص ۷۴۹)

مولانا آزاد نے ڈپٹی صاحب کو پکڑ لیا اور اسی جگہ حاشیہ پر یہ تنقیدی فقرہ لکھا، اور خدا کا حب کر کے "ایں محاورہ کدام زبان است"

یعنی یہ محاورہ کس زبان کا ہے مولانا نذیر احمد صاحب ادب عربی اور ادب اردو دونوں کے ماہر تھے، اردو زبان کے اساطین میں اہل زبان نے انہیں شمار کیا ہے، اردو زبان میں جو افسانہ اور اصلاحی کتابیں مرحوم نے لکھی ہیں وہ لال قلعہ کی اردوئے معلیٰ کا بہترین نمونہ ہیں لیکن پھر بھی ڈپٹی صاحب کا بچپن اپنے وطن مالوف بجنور میں گذرا ہے اس لئے ڈپٹی صاحب کی زبان پر یوپی کے قصبات میں بولے جانے والے محاورے کبھی کبھی آجاتے تھے جیسے مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُؤُسِهِمْ (ابراہیم ۴۳) کا ترجمہ کرتے ہیں" اپنے سر اُلالے بھاگے چلے جارہے ہیں فَهُمْ مُقْمَحُونَ (یٰس ۸) پھر ان کے سر اُلل رہے ہیں۔

سیدھا سادہ ترجمہ "اونچا کر رہے ہیں" تھا، مگر بچپن یاد آگیا اور اُلالو ہونا (اونچا ہونا) نوک قلم پر آگیا۔

حضرت تھانوی بھی قصبات سے تعلق رکھتے تھے، حضرت نے بھی اس محاورہ میں ڈپٹی صاحب کا ساتھ دیا اور اُلالو ہونے کا قصباتی محاورہ استعمال کیا۔

شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ تو شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ کی طرح قدیم اردو کا لفظی ترجمہ ہے، شاہ صاحب نے بھی "اُلالو کا محاورہ نہیں لکھا "اونچے ہورہے" ہیں تحریر کیا کیونکہ شاہ رفیع الدین صاحب دلی والے تھے۔

اب مولانا آزاد کو دیکھئے، مولانا شروع میں اپنے آپ کو دہلوی لکھتے تھے۔

مگر مولانا کی زندگی کا بڑا حصہ کلکتہ میں گذرا، اس کا اثر مولانا کی زبان پر ظاہر ہوا، مولانا نے اکثر جگہ یہ الفاظ لکھے ہیں، سن لے سکتے ہیں، قبول کر لے سکتا ہے، دیکھ لے سکتے ہیں، یہ محاورے ایک دلی والے کی زبان پر جاری نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح تذکیر و تانیث کا معاملہ ہے، مولانا نے رؤیا (خواب) کو مونث لکھا ہے، حالانکہ دلی کی زبان میں رویا کا لفظ مذکر ہے، لکھتے ہیں اور رؤیا جو ہم نے تجھے دکھائی ترازو کا لفظ دلی میں مونث ہے، مولانا نے اسے مذکر لکھا ہے، دنیا میں اشیاء کے موازنہ کے لئے ترازو کام دیا کرتا تھا (اعراف کا حاشیہ) میزان کا لفظ بھی دلی میں مونث بولا جاتا ہے۔ امیر مینائی کا شعر ہے۔

اللہ رے قدر میرے گناہوں کی روز حشر
تعظیم کو کھڑی ہوئی میزاں حساب کی

مولانا لکھتے ہیں قدرت نے ایک میزان مقرر کر دیا ہے، بہر حال زبان کا معاملہ ایسا ہی ہے۔

ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ لوگ دلی کی بھنگنوں سے دلی کی زبان سننے آیا کرتے تھے، کیونکہ بھنگنیں شرفاء کے گھروں میں جاتی تھیں اور شرفاء کی عورتوں سے باتیں کرتی تھیں۔ ایک بھنگن کسی دروازہ سے روٹی لیتے ہوئے یہ کہہ رہی تھی، بیوی یہ سسک سسک کر سالن کیا دیتی ہو۔؟

باہر کے ایک اردو داں سسک سسک کر کے، لفظ پر حیران

ہوگئے، سسک سسک کر یعنی تھوڑا تھوڑا، شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کے تذکروں میں لکھا ہے کہ شاہ صاحب اپنی اولاد کو اردو زبان کا علم سیکھنے کیلئے حضرت خواجہ میر درد دہلویؒ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے، خواجہ صاحب کے تذکرہ نویس نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب خواجہ صاحب کے شاگرد تھے، خواجہ صاحب اردو زبان کے اولین معماروں میں شامل تھے۔

اب شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ میں حضرت شیخ الہند کی اصلاحات پر غور کیجئے۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ اردو زبان کے آدمی نہیں تھے، صاحب علم و فضل اور صاحب عرفان وایقان تھے۔

حضرت شیخ نے بعض مقامات میں شاہ صاحب کے ترجمہ میں جو تسہیل کی اس کے قابل قدر ہونے میں کلام نہیں لیکن بعض مقامات ایسے بھی ہیں جن میں غیر ضروری تبدیلی کی گئی ہے اور ان مقامات کے مطالعہ سے شاہ عبدالقادر صاحب کی اردو ادب میں مہارت اور حضرت شیخ کے ایک قصباتی اردو داں ہونے کا فرق واضح ہوتا ہے۔ یہ بحث فن کی ہے، شخصی عظمت کا معاملہ الگ ہے۔

شاہ صاحب نے اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (الم نشرح ۲) کا ترجمہ کیا، اور اتار رکھا تجھ سے بوجھ تیرا جس نے کڑکائی پیٹھ تیری، نقض کے عربی لفظ میں دو مفہوم ہیں ایک توڑنا اور دوسرے آواز نکلنا، شاہ صاحب نے دوسرے مفہوم کو اختیار کیا اور اسے اردو کا بہترین محاورہ دیدیا۔

بولا جاتا ہے کہ اس کی کمر کڑک گئی، چٹخ گئی، جب کمر پر بوجھ زیادہ ہوتا ہے، حضرت شیخ نے اسے بدل کر لکھا، جس نے جھکائی پیٹھ تیری شیخ کے علاوہ تمام اہل تراجم نے توڑنے کا لفظ استعمال کیا۔

شیخ کے ہاں پھر ادب باقی ہے، توڑنے میں سوءادب ہے، لیکن کڑکنے میں جو نزاکت ہے وہ کسی لفظ میں نہیں۔

ڈپٹی صاحب نے لکھا جس نے کمر توڑ رکھی تھی، مودودی صاحب نے اس میں اور زیادہ زور پیدا کر دیا اور لکھا، جو تیری کمر توڑے ڈال رہا تھا۔

یہ حضرت شاہ صاحب کی رسول محترم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ قوی نسبت و تعلق، کی بات ہے کہ ان کا قلم ادب رسالت کے مکمل احترام سے ایک انچ ادھر سے ادھر نہیں ہوتا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید این جا

صبر کے دہانے کھول دے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر آنے والے جادوگرانِ فرعون جب ایمان لے آئے تو فرعون نے انہیں دھمکی دی، اس دھمکی پر ان لوگوں نے دعاء کی جس کے الفاظ کی تعبیر قرآن نے اس طرح کی (رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ اعراف ۱۲۶) عربی میں افراغ کا مفہوم برتن خالی کرنا ہے، شاہ صاحب نے موقعہ و محل اور لغت کی رعایت سے یہ ترجمہ کیا۔

اے رب! دہانے کھول دے ہم پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان،
قرآن کریم نے صبر واستقامت کی انتہائی طلب کے لئے افراغ کا استعارہ استعمال کیا اور شاہ صاحب نے اس استعارہ کو آخری منزل تک پہنچا کر اس کا ترجمہ کیا، دہانے دریا کے ہوتے ہیں، ایک پیاسا اپنی پیاس بجھانے کے لئے دریا کے دہانے کھولنے کی دعاء کرتا ہے۔

شاہ صاحب کے بعد دوسرے اردو اہل تراجم نے اپنی اپنی زبان دانی کا مظاہرہ کیا اور قرآنی استعارہ کا اردو محاورہ میں ترجمہ کیا، لیکن غور کرو کہ دوسو برس گذر گئے، مگر شاہ صاحب کے محاورہ سے آگے کوئی نہ بڑھ سکا۔

(۱) فارسی والوں نے لفظی ترجمہ پر اکتفاء کیا اور لکھا "بریز برما شکیبائی" یہی ترجمہ اردو میں شاہ رفیع الدین صاحب کا ہے یعنی ڈال اوپر ہمارے صبر۔

(۲) بامحاورہ پہلا ترجمہ ڈپٹی صاحب کا ہے وہ شاہ صاحب کے مقابلہ پر ایک محاورہ لاتے ہیں یعنی پکھالیں انڈیل دے ہم پر صبر کی۔

(۳) مولانا آزاد اردو کے شہنشاہ ہیں وہ لکھتے ہیں یعنی ہم پر صبر کے جام انڈیل دے۔

(۴) مولانا آزاد اگر جام کی جگہ خم لکھتے تو اس میں جام سے زیادہ زور پیدا ہو جاتا غالب کا شعر ہے۔

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشۂ و قدح ساغر و سبو کیا ہے۔

دوسرے حضرات نے محاورہ کی جگہ تاویلی ترجمہ کرنے پر اکتفا

کیا کیونکہ ڈپٹی صاحب اور مولانا آزاد کے بعد کوئی محاورہ باقی نہ رہ گیا تھا۔

ہم پر صبر کا فیضان فرما، (مودودی صاحب) یہ مولانا تھانوی کے الفاظ ہیں جو مودودی صاحب نے استعمال کئے ہیں۔

مولانا احمد سعید صاحب نے اس ترجمہ پر بکثرت کا لفظ بڑھادیا یعنی ہم پر بکثرت فیضان فرما۔

مولانا آزاد نے اس دعاء کا سورہ بقرہ (۲۵۰) میں ترجمہ "جام انڈیل دے" کیا یہ دراصل ڈپٹی صاحب کے مقابلہ پر دوسرا محاورہ لانے کی کوشش ہے، مگر مولانا آزاد جب سورۂ اعراف کی اس دعاء (۱۲۶) کے ترجمہ پر پہنچے تو مولانا نے اس مقام پر ڈپٹی صاحب کی محاورہ بندی سے کنارہ کرلیا اور غالباً انہیں یہ احساس ہوا کہ جام انڈیل دے کا ترجمہ بلاغت سے خالی ہے اس لئے مولانا نے اعراف کی آیت کا ترجمہ بدل دیا اور لکھا۔ ہم کو صبر وشکیبائی سے معمور کردے، اس ترجمہ میں مولانا کی اپنی باوقار اردو کا نمونہ سامنے آجاتا ہے، ڈپٹی صاحب نے اعراف والی آیت میں اپنا پہلا محاورہ ہی باقی رکھا۔

شاہ صاحب موقعہ ومحل کو دیکھتے ہوئے، بقرہ میں طالوت کے ساتھیوں کی دعاء کے الفاظ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں۔

اے رب! ڈالدے ہم میں جتنی مضبوطی ہے۔

اور اعراف میں فرعون کے جادوگروں کی دعاء ہے جس میں دعاء کرنے والوں کے اندر بے قراری اور بے چینی زیادہ ہے کیونکہ فرعون نے قتل کرنے کی دھمکی دی ہے، اس لئے "جتنی مضبوطی ہے"

کی جگہ ''دریا کے دہانے کھولنے'' کی طلب ہے۔

مولانا فتح محمد جالندھری!

مولانا جالندھری ڈپٹی صاحب کے ان ہم عصر علماء میں سے ہیں جن سے ڈپٹی صاحب نے اپنے ترجمہ پر نظر ثانی کرائی انہوں نے بعد میں اپنا ترجمہ عمدہ طریقہ پر ترتیب دیا اور اسے ڈپٹی صاحب کے عامیانہ قسم کے اردو محاوروں سے محفوظ رکھا۔

جالندھری صاحب نے اپنے ترجمہ ۱۸۹۷ء میں مذکورہ دونوں آیتوں کے ترجمہ میں ڈپٹی صاحب کے محاوروں کی جگہ شاہ صاحب کے محاورے استعمال کیۓ لیکن اُلالو ہونے (اونچا ہونے) کا محاورہ ضرور لکھا، اسی طرح حریص علیکم (توبہ) میں ڈپٹی صاحب کا ترجمہ (تمہاری بہبود کا ہوکا ہو گیا ہے) کی جگہ بھی ''بہت خواہش مند'' لکھا جو ان کا اپنا ترجمہ ہے، مولانا تھانوی نے بیان القرآن ۱۹۳۱ء میں معمولی تبدیلی کر کے بہت کی جگہ بڑے خواہش مند کر دیا ہے۔

مولانا محمد جوناگڈھی نے تفسیر ابن کثیر کے ترجمہ ۱۹۴۳ء میں مولانا تھانوی کے الفاظ ہی میں اس لفظ (حریص) کا ترجمہ کیا ہے، یہی الفاظ سعودی عربیہ سے شائع ہونے والے ترجمہ ۱۹۹۸ء میں لکھے گئے ہیں یہ ترجمہ ابن کثیر کے ترجمہ سے نقل کیا گیا ہے۔

مولانا تھانوی علیہ الرحمہ نے ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃً (انبیاء ۳۵) کے ترجمہ میں فتنۃ مفعول مطلق معنوی کا ایسا ترجمہ کیا جو

کسی قدیم وجدید ترجمہ میں نظر نہیں آتا، لکھتے ہیں، اور ہم تمہیں بری اور بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں یہ اچھی طرح اردو کا محاورہ ہے یعنی کسر نہیں چھوڑتے پوری طرح آزماتے ہیں۔

دوسرے تمام اہل تراجم نے فتنہ کے لغوی مفہوم پر اکتفا کیا، کوئی معنوی حسن وتنوع پیدا نہیں کیا اس مقام پر بیان القرآن کی انفرادیت قائم ہو جاتی ہے، اب دوسرے پہلو سے دیکھو، فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ (زخرف ۵٦) کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا گیا ہے جو بالکل واضح ہے، یعنی ہم نے ہلاک شدہ آل فرعون کو گیا گذرا اور بعد والوں کیلئے نمونہ عبرت بنادیا، سلف کا ترجمہ گیا گذرا (شاہ عبدالقادر) پیش رو کافران (شاہ ولی اللہ) پیشوا (شاہ رفیع الدین) یہ تمام تراجم واضح ہیں لیکن مولانا تھانوی ترجمہ کرتے ہیں، اور ہم نے ان کو آئندہ والوں کیلئے خاص طور کے متقدمین اور نمونہ بنادیا، اب یہ خاص طور کے متقدمین کیا ترجمہ ہوا؟ (بیان القرآن جلد ا ص ۸۷) پرانے الفاظ میں کونسی کمزوری تھی۔؟

بہر حال قرآنی تراجم کا معاملہ بھی عجیب معلوم ہوتا ہے، کسی مقام پر کسی مترجم کے ترجمہ کی شان بڑھ جاتی ہے، کسی جگہ کم ہو جاتی ہے، لیکن حضرت شاہ صاحب کی شان کسی جگہ کم ہوتی نظر نہیں آتی، مشہور آیت ہے قل انما انا بشر مثلکم (کہف ۱۱۰) مولانا تھانوی ترجمہ کرتے ہیں "میں تو تم ہی جیسا ایک بشر ہوں، ڈپٹی صاحب کا ترجمہ یہ ہے، میں بھی تو تم ہی جیسا ایک بشر ہوں، شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا

ترجمہ یہ ہے، تو کہہ کہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم" مولانا تھانوی اور ڈپٹی صاحب کے تراجم میں مثلیت (مانند) پر زیادہ زور پڑ گیا ہے جب کہ شاہ صاحب کے الفاظ میں ہلکا پن اور نرمی ہے، جس میں ادب کی رعایت معلوم ہوتی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ

مولانا مرحوم مسلمانوں کے بڑے طبقہ (بریلوی مسلک) کے بلند پایہ عالم اور مقتداء ہیں، مولانا نے ۱۹۱۱ء میں قرآن کریم کا ترجمہ کنزالایمان کے نام سے کیا، ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے بقول ولی اللہی خاندان کے فارسی اور اردو تراجم بعد والوں کے لئے مرجع اور ماخذ ہیں اور انہیں ام التراجم کی حیثیت حاصل ہے، یقیناً مولانا کے سامنے یہ تراجم رہے ہوں گے۔

لیکن خان صاحب میں انفرادیت پسندی کا جذبہ بہت نمایاں تھا اس لئے آپ کے ترجمہ میں یہ خصوصیت پیدا ہوگئی کہ آپ رسول ﷺ کی ذات اقدس سے متعلق آیات کا تاویلی ترجمہ کرتے ہیں اور ان آیات کے لفظی ترجمہ سے عوام کو جو اشکالات ہوتے ہیں انہیں مولانا اپنے تاویلی ترجمہ سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کوشش میں مولانا کے اپنے خاص نظریات کی جھلک بھی محسوس ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ میں فوقیت کی ایک مثال

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترجمہ مجموعی طور پر دہلوی اردو کی سلاست نہیں رکھتا مگر پھر بھی کہیں کہیں مولانا اپنا کمال دکھا جاتے ہیں اور تمام اردو تراجم پر فوقیت لے جاتے ہیں، مشہور آیت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُوْنَ (مومنون ۵۷) وہ لوگ اپنے رب کے ڈر سے ڈرتے ہیں

یہ آیت بڑی پیچیدہ ہے کیونکہ اس میں ڈر اور خوف کے دو لفظ جمع ہوگئے ہیں، عربی میں خشیت اور شفق (بصلہ من) دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

اب اس کے ظاہری معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے ڈر سے ڈرتے ہیں، کیا مطلب ہوا اس کا۔؟

ایک معنی کے دو لفظوں کو جمع کر کے قرآن کریم کیا خاص بات کہنا چاہتا ہے؟ علماء تابعین کے کسی تفسیری قول میں اس نکتہ کی وضاحت نہیں ملتی۔

اہل تراجم نے جو باریکی پیدا کی ہے، وہ حسب ذیل ہے۔

اس باریکی کو شاہ ولی اللہ نے اس طرح ظاہر کیا۔

ہر آئینہ آنانکہ ایشاں از ترسِ پروردگار خویش مضطر باشند

یعنی خوف خدا سے بے چین اور پریشان رہتے ہیں، دوسرے لفظ کا مفہوم بدل دیا، لازم مجازی ترجمہ کیا۔

شاہ رفیع الدین صاحب نے پہلے لفظ خشیت کے ترجمہ کو حذف کر دیا اور لکھا۔ پروردگار اپنے کے سے ڈرنے والے ہیں،

شاہ عبد القادر صاحب نے دوسرے لفظ کا ترجمہ اندیشہ (فارسی) کیا

"اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں"۔

فارسی میں اندیشہ کے معنی بھی خوف کے ہیں۔ کوئی خاص نکتہ پیدا نہیں ہوا، ڈپٹی صاحب نے فارسی کا لفظ ترساں وہراساں استعمال کیا یعنی پروردگار کے خوف سے ترساں اور ہراساں رہتے ہیں۔

عربی اور اردو کی جگہ فارسی الفاظ رکھ دیئے گئے اور کچھ نہیں کیا مولانا آزاد اور مولانا مودودی بڑے زبان داں ہیں مگر ادب اردو کے یہ ماہر مترجم عربی کے دو ہم معنی لفظوں کے اردو ترجمہ کے اندر کوئی فرق پیدا نہ کر سکے، مولانا آزاد نے لکھا،

جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں،

مودودی صاحب لکھتے ہیں حقیقت میں تو جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔

مولانا تھانوی نے اپنے ترجمہ میں لطافت وسلاست پیدا کرنے کی کوشش کی اور لکھا اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے پروردگار کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

لغت میں یہ لفظ (ہاب) بھی ڈرنے کے مفہوم میں آتا ہے مگر اس کا حاصل مصدر رہیبت (رعب) کے مفہوم میں بولا جاتا ہے۔

مولانا احمد سعید صاحب نے مولانا تھانوی کے ترجمہ کی پیروی کی۔ اور ہیبت کا لفظ اختیار کیا۔

کسی کی عظمت وجلالت کی وہ حالت جسے دیکھ کر دیکھنے والے خوف زدہ ہو جائیں اس حالت کو دبدبہ اور ہیبت کہا جاتا ہے۔

مولانا عثمانی نے اپنے تشریحی حاشیہ میں ڈپٹی صاحب کے لفظ (ترساں) کے ساتھ ایک لفظ (لرزاں) بڑھا دیا اور لکھا "اپنے رب کے خوف سے لرزاں وترساں رہتے ہیں"۔

اس آیت کے تقابلی مطالعہ میں حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترجمہ تمام تراجم پر فوقیت لے گیا۔ مولانا لکھتے ہیں۔

بے شک وہ جو اپنے رب کے ڈر سے سہمے ہوئے ہیں۔

کیا کہنے؟ سہمنے کے لفظ سے خوب فائدہ اٹھایا۔

سہمنا ہندی کا لفظ ہے، اہل لغت نے لکھا ہے کہ خوف کی آخری

حالت جس میں انسان خوف کا اظہار بھی نہ کر سکے، دہشت زدہ ہو جائے، اسے سہمنا کہا جاتا ہے۔

شاعر کہتا ہے ؎

ڈرتے ہیں وہ جہاں نظر آتا ہے گردباد
سہمے ہوئے ہیں کیا میری مشت غبار سے (ثاقب لکھنوی)

یعنی جو آندھیوں سے محض ڈرتے ہیں اور اپنے حواس قائم رکھتے ہیں، وہ میری مشت خاک اور مٹھی بھر مٹی سے خوف کے مارے بالکل حواس کھو بیٹھے۔ سہم گئے، مدہوش ہو گئے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ خوف خدا کی آخری حالت میں رہتے ہیں، ان پر خوف خدا کا غلبہ رہتا ہے، ڈرتے ہیں اور پھر ڈرنے کی کمی اور کوتاہی کا احساس ان کے اندر رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خوف خدا کی حالت سے سہمے رہنے کی کیفیت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور دم بخود رہتے ہیں۔

نبی علیہ السلامؑ کے لئے تکوینی اختیار اور حضرت نانوتویؒ کی آب حیات

ارباب سیمینار حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمۃ نے علماء دیوبند کی تفسیری خدمات پر ایک مضمون مجھ ناچیز کے ذمہ کیا تھا، کیونکہ یہ موضوع میری دلچسپی کا ہے، لیکن میرے خیال میں مذکورہ بالا عنوان کی اہمیت زیادہ تھی اس لئے میں نے اس عنوان پر پیش نظر مقالہ مرتب کیا۔

علماء دیوبند کی تفسیری خدمات کے موضوع پر ایک مقالہ ترتیب دینے کی درخواست میں نے مولانا محب الحق صاحب سے کی اور انہیں ضروری مواد بھی دیدیا اور اسی کے ساتھ انہیں ضروری مشورہ بھی دیتا رہا۔

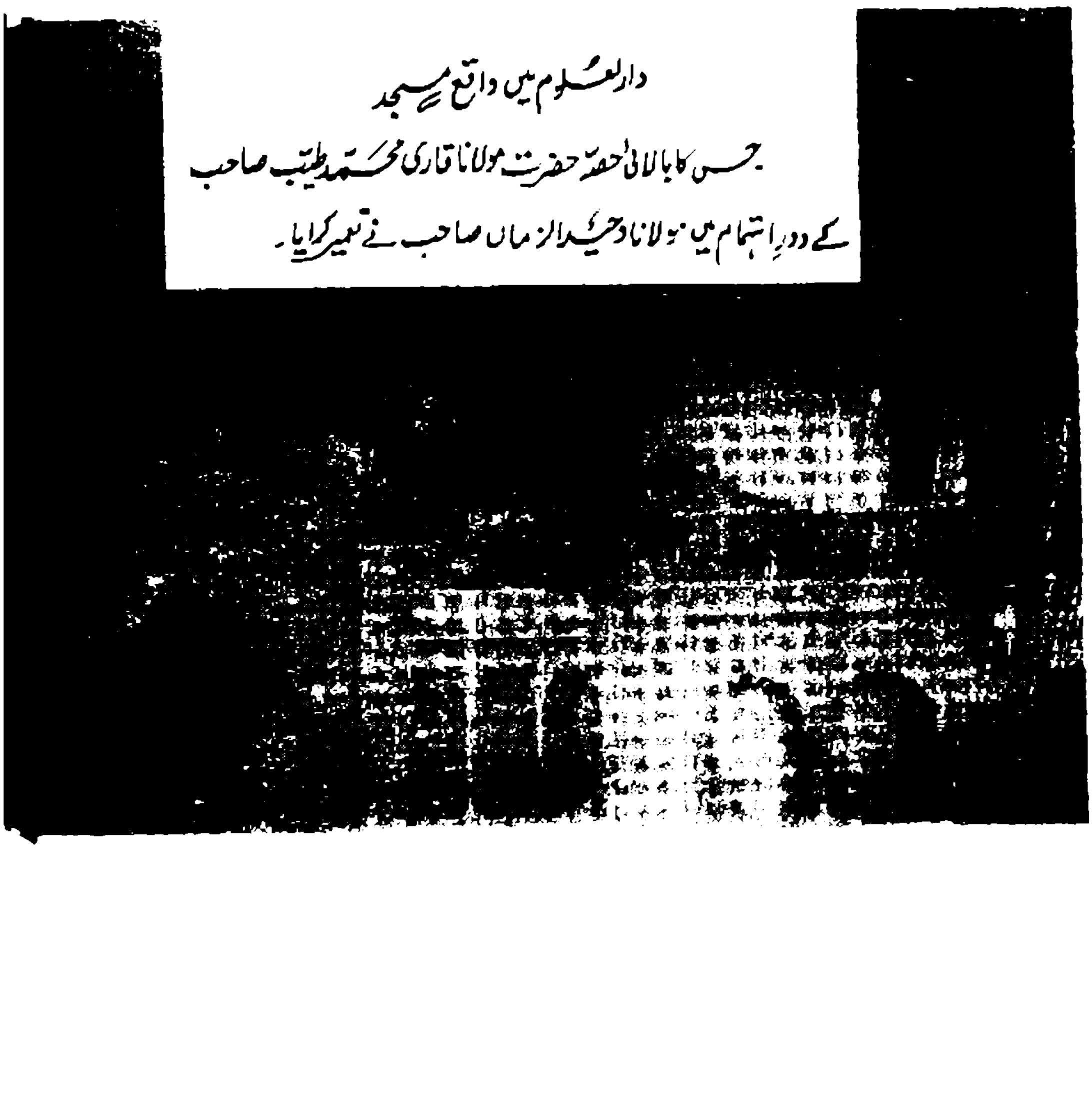
مضمون تیار ہونے کے بعد اس میں ضروری اضافے بھی کئے اور اس کی اصلاح بھی کی۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی کی تفسیر حضرت نانوتویؒ نے اپنے خاص مذاق (عشق رسالت) کے مطابق کی ہے اور وہ تفسیر مولانا مرحوم کے دینی کلامی نظریات کی اہم کتاب (آب حیات) کا ایک خاص مسئلہ بن گیا اور پاکستان کے ایک سلفی عالم کو اس پر ایک مستقل تنقیدی کتاب لکھنے کی ضرورت پیش آگئی۔

اس کتاب کا نام ہے "نبوت کی عجمی تعبیر"

پیش نظر مقالہ میں اس ناچیز نے اس تنقیدی کتاب کا تحقیقی جائزہ لیا ہے اور آب حیات کے اس خاص تفسیری مسئلہ کو دیوبندی مکتب فکر کے مسلّمہ نظریات کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ مقالہ امام محمد قاسم سیمینار کے مجموعہ مقالات میں شامل کر دیا گیا ہے۔



دارالعلوم میں واقع مسجد
جس کا بالائی حصہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے دورِ اہتمام میں مولانا وحید الزماں صاحب نے تعمیر کرایا۔

انوار القرآن مولانا محمد نعیم صاحب دیو بندی

مولانا محمد نعیم صاحب دارالعلوم (وقف) کے اکابر اساتذہ میں سے ہیں، آپ نے کمالین (شرح جلالین) کا اردو ترجمہ کیا اور انوار القرآن کے نام سے مستقل تفسیر تحریر کی۔

مولانا موصوف نے اس درمیانی درجہ کی تفسیر میں قرآن کریم کے لغات، صرف ونحو اور معانی وبلاغت اور تاریخ کی محققانہ تشریح کی ہے۔

تفسیر سبحانیہ مولانا عبدالدائم جلالیؒ

مولانا عبدالدائم جلالی مدرسہ عالیہ رام پور جیسے تاریخی مدرسہ کے بلند پایہ استاد تھے وہاں سے ریٹائر ہو کر دلی کے مدرسہ عالیہ فتح پوری میں تدریس اور افتاء کے فرائض انجام دیئے۔

مرحوم نے تفسیر سبحانیہ کے نام سے ایک عام فہم تفسیر تحریر کی جو آستانہ بک ڈپو دلی کی طرف سے شائع کی گئی۔

مرحوم علامہ صاحب نے تفسیر مظہری کا اردو ترجمہ بھی کیا جو ندوۃ المصنفین دلی کی طرف سے شائع کیا گیا، مرحوم نے صحاح ستہ کی احادیث کے تراجم بھی کئے۔

اعجاز القرآن مولانا حافظ سید حمید صاحب امام جامع مسجد

مولانا حافظ سید حمید صاحب امام شاہی جامع مسجد (والد مولانا سید عبداللہ بخاری) نے اعجاز القرآن کے نام سے قرآن کریم کے مختلف معجزانہ پہلوؤں پر ایک

اچھی کتاب تحریر کی جو صرف ایک ہی دفعہ شائع ہوئی۔

ان کے صاحبزادے صاحب کو خدا تعالی نے اس قابل کیا ہے کہ وہ یہ اس اہم کتاب کو شائع کر کے بلا قیمت تقسیم کرائیں تا کہ ان کے درویش صفت اور ولی مزاج والد کی روح کو خدمت قرآن کریم کا اجر ملتا رہے۔

حضرت امام صاحب مرحوم بیماری کے دنوں میں کبھی کبھی مدرسہ حسین بخش میں جمعہ کی نماز پڑھتے تھے اتفاق کی بات ہے کہ ایک جمعہ میں میں نے امام صاحب کی اس کتاب کے حوالہ سے قرآن کریم کی عظمت پر تقریر کی، مجھے امام صاحب کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ نماز کے بعد لوگوں نے کہا امام صاحب تشریف رکھتے ہیں، وہ تمہیں یاد کر رہے ہیں میں حاضر ہوا، فرمایا! آپ نے میری کتاب پڑھی ہے؟ بڑی معصومیت کے لہجے میں کہا، میں اس قابل کہاں کہ میری کتاب علماء کرام پڑھیں۔

میں نے عرض کیا، حضرت! وہ بڑی عمدہ کتاب ہے میں نے اس سے استفادہ کیا ہے، جس وقت میں شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ وتفسیر کے ادبی اور علمی لطائف پر کتاب (محاسن، موضح قرآن) لکھ رہا تھا۔ خوش ہو کر مجھے دین ودنیا کی بھلائی کی دعاء دی، پھر میں نے دیکھا کہ امام صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

خاندان امام کی عظمت قرآن کریم سے!

امام سید حمید صاحب کے والد شمس العلماء مولانا حافظ سید احمد صاحب کا زمانہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا، البتہ میں نے انہیں قریب سے اس وقت دیکھا جب وہ اپنے دوست شاہ عبدالقدیر صاحب قادری (منیجر ہندوستانی دواخانہ دلی) کے بڑے صاحبزادے حافظ عبدالرحمٰن صاحب (منیجر شمع دواخانہ) کی برات میں شہر کے دوسرے عمائدین کے ساتھ میرے بڑے نانا امیر بیگ صاحب جوہری کے مکان

(کٹرہ شیخ چاند لال کنواں) پرتشریف لائے۔

یہ مجلس میرے بڑے ماموں سید علی صاحب کی بڑی صاحبزادی اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب کے نکاح مسنون کی مجلس تھی۔

اس مجلس میں امام صاحب نے میرے نانا (سید نواب علی صاحب جوہری) سے پوچھا آپ کا یہ لڑکا کیا پڑھ رہا ہے میرے نانا نے کہا یہ قرآن کریم حفظ کررہا ہے انشاء اللہ اسی سال محراب سنائے گا۔

امام صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا، میرے خاندان کو جو کچھ عظمت ملی وہ قرآن کریم کی خدمت سے ملی، میرے والد (حافظ سید محمدؒ) کو قرآن کریم سے اس قدر محبت تھی کہ وہ ہر وقت تلاوت قرآن میں مصروف رہتے تھے یہاں تک کہ ضروریات سے فراغت کے وقت انہیں اپنی زبان کو قابو میں رکھنے کے لئے بڑی مشقت اور محنت کرنی پڑتی تھی اور ہم دیکھتے تھے کہ وہ بڑی عجلت سے فارغ ہوکر باہر آجاتے تھے۔

ترجمہ برج بھاشا، مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ

مولانا مرحوم کی شہرت ایک صاحب فیض روحانی بزرگ کی ہے، لیکن آپ ایک بڑے عالم شریعت بھی تھے آپ نے شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی سے حدیث پڑھی قرآن کریم سے اس درویش کو گہرا عشق تھا، فرمایا کرتے تھے کہ جب منکر نکیر قبر میں میرے پاس آئیں گے تو میں ان سے کہوں گا، آؤ! میں تم کو قرآن کریم پڑھاؤں۔

قرآن کریم کے ساتھ اسی گہرے عشق کی وجہ سے آپ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے چھوٹے صاحبزادے امام التفسیر شاہ عبدالقادر صاحب

کو روحانی حیثیت سے فوقیت دیتے تھے۔

مولانا گنج مراد آبادی نے قرآن کریم کی چند چھوٹی سورتوں کا برج بھاشامیں ترجمہ کیاہے جسمیں بڑی حلاوت اور بڑااثر محسوس ہوتا ہے۔

یہ ترجمہ حافظ جمیل الدین مرحوم اکاؤنٹینٹ (کلاں مسجد) کے پاس تھا حافظ صاحب کودینی کتابوں کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔

مرحوم نے کوشش کی کہ یہ کتاب چھپ جائے مگر کامیابی نہ ہوسکی مرحوم کا کتب خانہ ان کی وصیت کے مطابق حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی علیہ الرحمہ کے سپرد کردیا گیا جوان کے آبائی کتب خانہ میں شامل ہے۔

شاہ صاحب کے ترجمہ کی حلاوت کا ایک نمونہ راقم نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان کے مشرک باپ آزر نے توحید کی دعوت دینے کے جرم میں گھر سے نکالا تو سعادت مند بیٹے نے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔ قال سلام علیک :- (مریم ۴۷) کہا تیری سلامتی رہے (شاہ عبدالقادر صاحب) مفسرین نے اسے سلام وداع اور سلام رخصت قرار دیا ہے یہ سلام، سلام استقبال (السلام علیکم) سے مختلف مفہوم رکھتا ہے، اس سلام وداع میں حسرت اور افسوس اور مایوسی کا مفہوم شامل ہے، عرب اسی موقعہ پر اسے استعمال کرتے تھے۔

اب اردو مترجمین کواس کا مفہوم ادا کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے یہ مفہوم حسرت ادا کرنے کی کوشش کی اور لکھا۔

''اچھا تو میرا سلام ہے'' اس پیرایہ بیان میں حسرت وافسوس موجود ہے ڈپٹی صاحب کے ترجمہ کو مولانا آزاد نے ان الفاظ میں نقل کیا۔

''اچھا تو میرا سلام قبول ہو'' ایران کے فارسی مطبوعہ نسخہ میں رخصت کا

لفظ ظاہر کیا گیا۔ گفت، وداع برتو، اس نے کہا تجھ سے رخصت وداع ہے، یہی سلام متارکت وداع سورہ فوقان (۶۳) میں آیا ہے۔

واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما

وہ رحمٰن کے بندے جب جاہل لوگ انکو منھ آئیں اور ان کو خطاب کریں تو وہ کہدیتے ہیں بس سلام یعنی سلام کر کے ان سے اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ اسی مفہوم کی آیت سورہ قصص (۵۵) میں ہے۔

واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه وقالو لنا اعمالنا ولكم اعمالكم سلام عليكم لا نبتغ الجاهلين.

وہ اہل ایمان جب مخالفین سے بے ہودہ قسم کے اعتراضات سنتے ہیں تو ان سے اعراض وتغافل اختیار کرتے ہیں اور فضول بحث بند کرنے کی غرض سے کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے بس تم کو سلام۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ان تینوں آیتوں میں یہ ترجمہ کیا ہے۔

بس تجھے سلام (مریم) تو کہتے ہیں بس سلام (فرقان) بس تم کو سلام (قصص) اس ترجمہ میں ''بس'' کا لفظ علیحدگی اور مایوس کا مفہوم خوب ادا کر رہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کا ترجمہ مولانا گنج مرادآبادی نے برج بھاشا کے الفاظ میں جو کیا ہے وہ حسرت وجدائی کے مفہوم کی ادائیگی بہت اچھی طرح کر رہا ہے، فرماتے ہیں۔

ابراہیم بولا، پتا جی! سکھی رہو۔

سکھی رہو، کے فقرہ کا استعمال حسرت و یاس کے اسی موقعہ پر ہوتا ہے

جس موقعہ پر حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے رخصت ہوتے ہوئے کہا مایوسی بھی ہے ادب بھی ہے کیونکہ اگلے فقرہ میں اپنے باپ کے لئے دعاء کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب نے اپنی عام فہم تشریح القرآن میں اس جملہ کا یہ ترجمہ کیا۔

تب ابراہیم بولے، اچھا باباتم کو سلام اب میں چلتا ہوں

مولانا نے موقعہ ومحل کی خوب رعایت کی۔

یہ ایک شریف بیٹے کا کردار ہے جو قرآن کریم نے حضرت ابراہیم جیسے جلیل القدر پیغمبر کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔

ایک شاندار نسخہ موضح قرآن

شیخ محمد اصغر علی مالک مطبع قاسمی لدھیانہ پنجاب نے ۲۶ جنوری ۱۹۰۷ء کو موضح قرآن کا پارہ عم چھاپا اور اسے والی افغانستان امیر حبیب اللہ خاں کی خدمت میں پیش کیا جب وہ ہندوستان تشریف لائے۔

امیر افغانستان نے یہ نسخہ بہت پسند کیا اور اسی خوبصورت انداز میں تمام موضح قرآن کو چھاپنے کی ہدایت کی۔

یہ نسخہ بڑی تقطیع پر نہایت خوش رنگ سنہری بیل بوٹوں کے ساتھ شاہانہ شان وشوکت کا حامل ہے، یہ بیش قیمت موضح قرآن (مع فوائد کے) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی آزاد لائبریری میں محفوظ ہے، اس کی تاریخ یہ ہے۔

مصحف ہفت رنگ و دل کش گفت ۱۳۲۶ھ

بولا، مرغوب اولیاء ہے یہ ۱۹۰۸ء

تشریح القرآن

ترتیب

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب پر
علمائے کرام کے تبصرے

جو تشریح القرآن سے نقل کر کے علحدہ شائع کئے گئے

اُردو زبان میں سب سے آسان معانی والی تفسیر

تشریح القرآن

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

سورۃ الفاتحہ مکہ شریف میں نازل فرمائی گئی۔ اس میں سات آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ

سب تعریف اللہ کو ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا (۱) بہت مہربان بار بار

الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ

رحم کرنے والا (۲) مالک ہے انصاف کے دن کا (۳) ہم صرف تیری

نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں (۴) چلا دے ہم کو راہ

الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝

سیدھی سیدھی (۵) راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام فرمایا (۶)

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷

نہ جن پر غضب ہوا اور نہ بہکنے والے تھا (۷)

ف۔ اللہ کی صفت رحمٰن عمومی اور وسیع رحمت کا مظہر ہے، اور صفت رحیم خاص خاص مواقع پر اچانک و خصوصی مہربانی کا مظہر ہے بس ایک صفت رحمت عام ہے دوسری صفت رحمت خاص ہے۔

یہ سورت اللہ نے بندوں کی زبان سے فرمائی تاکہ وہ اللہ کی عبادت میں ان دعاؤں کو دہرائیں۔ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نماز میں یہ سورت پڑھی جائے۔ قرآن شریف میں اس سورہ کو "سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ" کہا گیا ہے، ملاحظہ ہو ۱۵ البرکی سورت سورۃ الحجر آیت ۸۷ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ترجمہ: ہم نے یقیناً آپ کو سات آیات عطا فرمائیں جو نماز میں بار بار دہرائی جائیں اور بڑی عظمت والا قرآن بھی عطا فرمایا۔ قرآن کی یہ پیش خبری پکار پکار کر اعلان کرتی ہے کہ سورۃ فاتحہ انفرادی نماز اور جماعت کی نماز میں اس زمین پر جتنی پڑھی گئی ہے اور بار بار پڑھی جا رہی ہے اس کی گنتی کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس سورہ کی تلاوت ختم کرنے پر آخر میں آہستہ یا زور سے "آمین" کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں اے اللہ ہماری دعا قبول ہو۔

ع ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاثرات مفکر اسلام مرشد محترم حضرت اقدس

مولانا سیّدابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی

ناظم دار العلوم ، ندوۃ علماء لکھنؤ۔

محب گرامی منزلت وداعی مقبول باتوفیق ترجمان القرآن

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب زادہ اللہ توفیقاو قولا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ'

آپ نے اپنے ترجمہ قرآن پر نظرڈالنے ،ناقدین کے اعتراضات اور محتاط و بابصیرت علماء واہل نظر کے اعترافات اور مشوروں کو سامنے رکھ کر اپنی رائے اور تاثر سے مطلع کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی، شدید مصروفیت اور ضعفِ صحت کے باوجود ان تحریروں ،جائزوں اور مشوروں پر نظر ڈالی جو آپ نے عنایت فرمائے اور اس کے ساتھ مطبوعہ ترجمے کے کثیر التعداد اوراق پر بھی ایک نظرڈالی اور جابجا سے اس کا مطالعہ کیا۔

جولوگ زبان وادب کا صحیح اور عمیق ذوق رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ترجمہ دشوار ترین کام ہے۔ ہر زبان میں (زندہ انسانوں کی طرح)

الفاظ و تعبیرات کا بھی مزاج خاص ہوتا ہے اور ایک درجہ ء حرارت و برودت Temperature ہوتا ہے۔ اس لئے بہت سے الفاظ کا ترجمہ اسی قوت اور تاثیر کے ساتھ جو ان الفاظ کا اس زبان میں ہے تقریباً ناممکن ہوتا ہے، اور بعض مرتبہ چہرے کا رنگ، آواز کی کیفیت اور آنکھوں کے اشارے سے تأثر اور لفظ کا ردعمل ظاہر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، کہیں اس لفظ کے زور اور معنوی و صوتی اثر کو ظاہر کرنے کیلئے دوسری زبان کا (لفظی ترجمہ سے ہٹ کر) لفظ لایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جب موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے ایک ایسے میلے کو دیکھ کر جس میں بُت پرستی بھی تھی اور دکانیں بھی سجی ہوئی تھیں، فرمائش کی کہ ہمیں بھی ایسے انتظام اور جشن کا موقع دیا جائے جس میں عبادت بھی ہو اور لذّت کام و دہن بھی ہو اور ان کے منہ میں پانی بھر آیا تو حضرت موسیٰؑ نے کمال غضب اور غیرت توحید میں فرمایا کہ "اِنَّ هٰؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّاهُمْ فِيْهِ وَبَاطِلٌ مَّاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" اب اگر اس کا اردو میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی جائے گی جس سے حضرت موسیٰؑ کی ایک طرف غیرت ایمانی دوسری طرف جلالِ ربانی کا اظہار ہو تو کہا جائے گا کہ "یہ جس کام میں لگے ہوئے ہیں اس پر جھاڑو پھر جانے والی ہے" لغات و معاجم کے پابند تو شاید اس سے اتفاق نہ کریں کہ یہ مُتَبَّرٌ کا صحیح ترجمہ

ہے لیکن غیرت توحید، شانِ کلیمی اور جلالِ ربانی کا یہی تقاضا ہے اور اگر یہ ترجمہ نہ ہو تو ترجمانی ضرور ہو گی۔

اس بارہ میں خاکسار نے اپنے مطالعہ قرآنی پھر تدریس اور تفسیر کے زمانہ میں حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کو بہت ممتاز پایا کہ بعض اوقات قرآنی لفظ کے مقاصد و مضمرات کو انہوں نے اردو کے ایک لفظ میں ادا کر دیا۔ مثال کے طور پر قرآن شریف میں آتا ہے "فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ" یہاں تقلب کا لفظی ترجمہ اُلٹنا پلٹنا ہے لیکن موقع و محل کے لحاظ سے اس سے کچھ زیادہ مقصود ہے اور تقلّب سے تغلّب بھی مراد ہے، خود بلند پایہ عربی کے مفسّرین بھی اس لفظ کا ترجمہ ایک مفرد لفظ میں اس کی قوت و عمل و استعمال کے تقاضہ کے ساتھ نہیں کر سکے۔ شاہ صاحبؒ نے ترجمہ کیا "تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے ان کا دوردورہ" یہی یہاں پر اس لفظ کے استعمال کا مقصود اور وجہ انتخاب ہے۔

آپ کے ترجمہ میں در حقیقت اسی ترجمانی اور لفظ کی جگہ لفظ رکھنے کے بجائے تفہیم و تاثر کا بہت جگہ لحاظ رکھا گیا ہے اور وہ کم سے کم دعوت و تفہیم قرآن کے میدان میں ضروری ہے۔ اس لئے جن فضلاء اور حقیقت پسندوں نے آپ کو ترجمہ کے بجائے ترجمانی کا لفظ اس کے تعارف میں استعمال کرنے کا مشورہ دیا ہے وہ عالمانہ بھی ہے اور مخلصانہ

بھی، اس کے باوجود (جہاں تک اس قاصر کی نظر پڑی) کہیں ترجمہ میں (جتنا حصہ سامنے آیا) تحریف وانحراف اور زیغ وضلال کا کوئی شائبہ اس عاجز نے نہیں پایا اس لیے اس ترجمہ کو تائید الٰہی اور خلوص و جذبۂ دعوت کی بنا پر مفید اور قابلِ اشاعت پایا اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے اور زیادہ سے زیادہ اس سے نفع پہنچائے۔

سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی
۱۷ر صفر المظفر ۱۴۱۵ھ ہجری
۲۷ جولائی ۱۹۹۴ء

تشریح القرآن پر علماء کرام کے تبصرہ

اخلاق حسین قاسمی دہلوی

قرآن کریم کے اردو تراجم وتفاسیر پر تبصرے کے ساتھ مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کے تشریح القرآن پر علماء کرام کے تبصروں کو شامل کیا جارہاہے۔

ایک تواس وجہ سے کہ مولاناپاریکھ صاحب کا تشریح القرآن بطور ایک عام فہم تاویلی ترجمہ کے پوری طرح متعارف ہو جائے اور ایک اس وجہ سے کہ ان تبصروں میں مولانا عبد اللہ عباس ندوی صاحب کا تبصرہ ترجمہ قرآن کے سلسلہ میں ایک وسیع علمی تبصرہ کی اپنے اندر افادیت رکھتاہے اوراس ناچیز کے مضمون کے موضوع سے گہری مناسبت اور اضافی افادیت کا حامل ہے جس سے قارئین کوانشاءاللہ فائدہ پہنچے گا۔

تشریح القرآن کی خصوصیت:

مرتب محترم تشریح القرآن نے اپنی تشریح میں عام فہم بنانے کے پہلو کوزیادہ سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

مولاناکے سامنے عوام بھی اس درجہ کے تھے جوروزمرہ کی اپنی بولی ہی میں کوئی علمی بات سمجھ سکتے ہیں اور جن کی عام بولی میں کوئی ادبی رکھ

رکھاؤ نہیں ہوتا۔ یہ عام فہم کا بالکل آخری درجہ ہے۔

ایک مثال دیکھئے: (سورۃ مومنون۔۵۶،) میں کہا گیا ہے

"اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَانُمِدُّھُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِیۡنَ نُسَارِعُ لَھُمۡ فِی الۡخَیۡرَاتِ بَلۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ"

کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جو ہم ان کو دیئے جا رہے ہیں مال اور اولاد سو دوڑ، دوڑ کر پہنچا رہے ہیں ہم ان کو بھلائیاں۔ یہ بات نہیں، وہ سمجھتے نہیں۔

یہ شاہ عبد القادر صاحب کا بہترین عام فہم با محاورہ اردو ترجمہ ہے اس ترجمہ کا اعلیٰ ادبی اسلوب مولانا ابو الکلام آزاد کی ترجمانی (ترجمان القرآن) میں یہ ہے۔

"کیا وہ لوگ خیال کرتے ہیں، ہم مال اور اولاد کی (فراوانی) سے اس لئے ان کی مدد کر رہے ہیں کہ بھلائی پہنچانے میں سرگرمی دکھائیں" نہیں۔ (حقیقتِ حال اور ہی ہے مگر) وہ شعور نہیں رکھتے مولانا آزاد کے اعلیٰ ادبی اسلوب کے مقابلہ میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کا ادبی اسلوب آسان ہے۔ مولانا کا ترجمہ یہ ہے:

"کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال اور اولاد سے مدد دیئے جا رہے ہیں تو گویا انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم ہیں؟ نہیں، اصل معاملے کا

انہیں شعور نہیں۔"

اردو زبان کے اہل نظر سمجھ رہے ہونگے کہ لاحق ترجمہ (تفہیم القرآن) اپنے سابق ترجمہ (ترجمان القرآن) سے استفادہ کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کررہا کیونکہ یہ جذبہ علم و تحقیق کی شان کے مطابق ہے۔ بڑوں کی شان بڑی ہوتی ہے۔

اب تشریح القرآن کا عام فہم ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

"ہم نے ان کی مدد مال اور اولاد سے کردی تو اس کا کیا غلط حساب انہوں نے لگالیا ہے کہ گویا ہم ان کے بھلے کے لئے جلدی ان کو مالامال کررہے ہیں، نہیں بلکہ ان کو اصل بات کا دھیان ہی نہیں۔

تشریح القرآن کے عام فہم اسلوب کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس درجہ کے لوگوں کے لئے تشریح القرآن کی حیثیت اتمام حجت کی ہے البتہ اس درجہ عام فہم کے بارے میں بھی اسکے لائق مرتب یہ دعوی نہیں کرسکتے کہ انہوں نے اس درجہ کا حق ادا کردیا ہے۔ یہ دعویٰ تو قرآن کریم کی خدمت کے کسی شعبہ کے بارے میں بھی نہیں کہا جاسکتا۔

آیت (المومنون۔۵۷) کے ترجمہ پر غور کیجئے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ"

قرآن کریم نے اہل تقویٰ کے کمال خوف وخشیت کا اظہار کرنے کے لئے ایک مفہوم کے دو لفظ استعمال کیے۔

مطلب یہ ہے کہ پرہیز گار مسلمان باوجود خوف خدا رکھنے کے پھر بھی اپنے مقام خوف کی کوتاہی سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اوپر سے نیچے تک تمام اکابر علماء نے یہی ترجمہ کیا کہ وہ لوگ اپنے پروردگار کے ڈر سے ڈرتے ہیں، ڈرنے والے ہیں اور اندیشہ رکھتے ہیں

مولانا تھانویؒ نے ترجمہ کو ابھارا اور خشیت کا ترجمہ ہیبت کیا، یہی لفظ مولانا پاریکھ صاحب نے اختیار کیا۔

لیکن اس کے باوجود عربی لفظ (ہیبت) کے سوا کوئی عام فہم اردو ہندی لفظ کسی بزرگ کی سمجھ میں نہیں آیا۔

اگر یہ عام فہم اردو لفظ کسی کی سمجھ میں آیا اور کسی کے دل پر اس کا القاء ہوا تو مولانا احمد رضا خان صاحب تھے۔ دیکھئے کہاں آکر مولانا بریلوی کا ستارہ چمکا۔ مولانا ترجمہ کرتے ہیں:

"وہ اپنے پروردگار کے ڈر سے سہمے رہتے ہیں"

ہندی میں سہمنے کے معنی خوف کے مارے دم بخود ہو جانا، ڈر اور خوف میں حواس قائم رہتے ہیں، سہمنے میں حواس ختم ہو جاتے ہیں چیخ پکار کی ہمت بھی نہیں ہوتی۔ اوپر اس کی تفصیل کی گئی ہے۔

مشکلات موضح قرآن

اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمہ کے تفسیری حواشی

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن علیہ الرحمہ نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن (موضح قرآن) کے مشکل الفاظ کی جگہ اردو کے آسان الفاظ استعمال کر کے موضح فرقان (سن ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۷ء) کے نام سے اردو ترجمہ ترتیب دیا اور اس پر کچھ تفسیری حاشیہ تحریر فرمایا۔

تفسیری حاشیہ کا باقی کام آپ کے شاگرد خاص مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمہ نے مکمل کیا۔ موضح فرقان ۱۳۳۶ ھجری بھی تاریخی نام ہے۔ یہ تفسیری حاشیہ کہاں تک حضرت شیخ الہند کا تحریر کردہ ہے؟ اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی، البتہ مولانا عثمانی کے ایک تفسیری حاشیہ آیت (۳۲) سورہ النجم (ص ۷۰۰) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہند نے سورہ نساء آیت (۳۱) کا تفسیری حاشیہ تحریر فرمایا، جو گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ کی بڑی جامع بحث پر مشتمل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ سورہ بقرہ سے پارہ والمحصنٰت (۵) کے ابتدائی دو رکوعات تک کے حاشیہ کی نسبت شیخ کی طرف یقینی ہے۔

مولانا عثمانی نے شاہ صاحب کے تفسیری فوائد کی تسہیل و تفہیم کو

پیش نظر رکھا، حضرت علامہ مولانا انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کا مشہور قول ہے کہ اگر شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی تفسیر عزیزی مکمل ہو جاتی تو جہاں تک ایک انسانی کوشش کا تعلق ہے یہ تفسیر ایک مکمل تفسیر ہوتی۔

شاہ عبد القادر صاحب کی تفسیر کے بارے میں فرماتے تھے کہ تفسیر کی بڑی بڑی کتابوں میں جو تفسیری نکات ولطائف نہیں ملتے وہ شاہ عبد القادر صاحب کے فوائد میں ملتے ہیں، البتہ ان فوائد میں بعض مقامات نہایت اغلاق واختصار رکھتے ہیں، اب ہمارے مولانا شبیر احمد عثمانی تفسیر پر کام کر رہے ہیں اور اس میں شاہ صاحب کے فوائد کی شرح کر رہے ہیں۔

یہ اہم کام مکمل ہو گیا تو یہ مشکل دور ہو جائے گی۔

الحمد للہ! مولانا عثمانی کی یہ اہم تفسیر ہمارے سامنے ہے۔

یہ تفسیر عثمانی (جدید ایڈیشن مطبوعہ سعودی عربیہ) ایک مختصر تفسیر کی حد تک ایک اہم اور کامیاب تفسیر ہے جس میں مولانا نے اپنے تحقیقی ذوق کو علمی زبان میں پیش کرنے کے باوجود اردو زبان کی سلاست اور سہولت کا بڑی حد تک خیال رکھا ہے۔

مولانا عثمانی نے اپنے تشریحی حواشی میں موضح قرآن (ترجمہ وفوائد) کے علمی اور تفسیری اشارات کی وضاحت کا کام بڑی حد تک

پورا کیا مگر پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ موضح قرآن دل کشی اور روح پروری کے جو نکات ولطائف اپنے اندر رکھتا ہے انہیں بے نقاب کرنے کا حق ادا ہو گیا۔

کیونکہ شاہ صاحب کے تفسیری فوائد کی شان تو یہ ہے ۔

حسن کلام کھینچے کیوں کر نہ دامن دل
اس کام کو ہم آخر محبوب کر چکے ہیں (میر تقی میرؔ)

مولانا عثمانی نے اپنے حواشی میں ایک مستقل تفسیر لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اور ضروری تشریحات کو اس تفسیر کے حوالہ کردیا ہے مولانا عثمانی" اپنے اس ارادہ کو پورا کرنے کا موقعہ نہ پاسکے ایک تو مولانا صحت کے اعتبار سے بہت کمزور تھے اور ساتھ ہی مزاج کے اعتبار سے انتہائی نزاکت ولطافت کے مالک تھے۔

اس کے علاوہ مولانا مرحوم جب اپنے فوائد کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو اس وقت ملک سیاسی کش مکش سے دوچار تھا اور یہ کش مکش ملت اسلامیہ کی موت وحیات کی کش مکش بن گئی تھی، یہ ۱۹۳۱ء کا دور تھا۔

ممکن نہیں تھا کہ مولانا عثمانی جیسا تاریخی انسان صاحب علم اور صاحب خطابت اس طوفان سے اپنے آپکو کنارہ رکھتا۔

چنانچہ مولانا اس بھنور میں پھنس گئے۔

لے سانس بھی آہستہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہہ شیشہ گری کا

پھر حضرت علامہ مرحوم پاکستان میں اسلام کے سیاسی اور خلافتی نظام کے قیام کی جدوجہد میں مشغول ہو گئے اور ایک بنیادی تجویز (قرار داد مقاصد) منظور کرا کر اس ملک کو منزل مقصود کی لائن پر لگادیا، مگر آج تک منزل مقصود اتنی ہی دور ہے جتنی اس وقت تھی۔

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ اَمْرًا ۔

کہتے ہیں برگ گل تو چمن سے نکل گئی
اے عندلیب تو نہ چمن بیچ مر گئی

حضرت شیخ الہند کی جماعت کے صرف ایک بزرگ اس طوفان سے بچے رہے کیونکہ اللہ تعالی کو ان کی علمی اور تربیتی صلاحیتوں کو امت کی تعلیم وتربیت کے لئے وقف رکھنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اور وہ مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ تھے۔

مولانا عثمانی کی تاریخی حیثیت کا یہ پہلو کم اہم نہیں ہے کہ مولانا عثمانی ہی شیخ الہند کے وہ شاگرد رشید تھے جنہوں نے شیخ کا خطبہ صدارت اور آخری پیغام جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے اجلاس (۱۹۲۰ء) میں شیخ کی طرف سے پڑھا کیونکہ شیخ علیل تھے۔

مولانا عثمانی نے دار العلوم دیوبند کے صدر اہتمام کا منصب

سنبھالنے کے بعد دار الحدیث میں صبح کی نماز کے بعد درس تفسیر کا شروع کیا تھا۔

یہ ناچیز دورہ حدیث کا طالب علم تھا، مولانا نے صرف بسم اللہ کی تفسیر میں ایک مہینہ لگادیا تھااور پھر بھی فرمایا تھاکہ ابھی اس آیت کریمہ کی تفسیر کے بہت سے گوشے بیان کرنے رہ گئے ہیں۔

یہ سلسلہ غالباً ایک مہینہ تک قائم رہااور پھر طلباء کے شدید اصرار کے باوجود مولانا مرحوم اس اہم کام کے لئے وقت نہ نکال سکے۔

مولانا مرحوم نے اپنی تفسیر کے دوران یہ فرمایا تھاکہ دعاء کرو کہ میرے ذہن میں ایک مفصل تفسیر کاجو خاکہ ہے وہ تحریر میں آجائے۔

آج جب مولانا عثمانی کی گراں قدر تفسیر غور و فکر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے تو تفسیر قرآن کے طالب علم ذہنی آسودگی کے ساتھ کچھ تشنگی بھی محسوس کرتے ہیں۔

تشنگی کی مثال دیکھئے کتنی باریک ہے۔

مولانا نے سورہ توبہ (۱۲۰) کے تشریحی حاشیہ میں ابن کثیر کے عربی زبان کے ایک اشارہ کواردو کے ان الفاظ میں نقل کیا۔

"خرچ کرنا، میدان طے کرنا، خودعمل صالح اور اختیاری افعال ہیں، اسی لئے یہاں اِلَّا کُتِبَ لَھُم فرمایا، گذشتہ آیت کی طرح اِلَّا کُتِبَ لَھُم بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ نہیں فرمایا۔(نبہ علیہ ابن کثیر ترجمہ ص۲۷۳)

اسی طرح کا اختصار جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

بہرحال پیش نظر مقالات ایک طالب علم کے غور وفکر کا حاصل ہیں۔ خدانخواستہ تنقید وتعاقب کی گستاخی کا ارتکاب نہیں۔ بلکہ اس ناچیز کا مقصد یہ ہے کہ علماء کرام علامہ عثمانی علیہ الرحمہ کے چھوڑے ہوئے کام کی طرف متوجہ ہوں اور مولانا نے جو ذمہ داری اپنے بعد والوں پر عائد کی ہے اسے پورا کرنے کی کوشش کریں۔

هزار دسته گل راجهانیاں بردند
هنوز ایں چمن از رنگ وبونه شد خالی
همیشه گرمی مے خانهٔ فلک باقی است
هزار جام شکست وسبونشد خالی

پیش نظر کتاب میں اس سلسلہ کے مرتب شدہ مضامین میں سے چند مضامین پیش کئے جارہے ہیں یہ ناچیز عمر طبعی کی کمزوری کے باوجود بتوفیق الٰہی محنت کررہا ہے اور اہم مقامات کی توضیح وترتیب میں مصروف ہے اور کافی کام ہوچکا ہے۔

دعاء ہے کہ حضرت حق تعالی اس تحقیقی کام کو مکمل کرادے اور وہ اہم تفسیری تحقیقات طبع ہوکر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں۔ آمین

اخلاق حسین قاسمی دہلوی

۲؍جولائی ۱۹۹۹ء

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی فکری انفرادیت

علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ اپنے تفسیری حواشی میں جمہور مفسرین کی ترجمانی کا اہتمام کرتے ہیں اور تفسیر قرآن کے نادر اقوال کو نظرانداز کردیتے ہیں۔

جدید علماء تفسیر میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب (اپنے استاذ مولانا فراہی کی پیروی میں) تفسیر کے نادر اور مرجوح اقوال کو کثرت کے ساتھ اختیار کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا عثمانی کو اس موقعہ پر دشواری پیش آئی ہے جب ان کے "مترجم محقق" (شاہ عبدالقادر) کا انفرادی قول اور مسلک احناف سے الگ کوئی تفسیری فائدہ ان کے سامنے آیا ہے اور مولانا اس وقت شاہ صاحب کے قول کو بغیر حوالہ نقل تو کرتے ہیں مگر اس کی انفرادیت پر روشنی ڈالے بغیر علماء احناف کے قول کی ترجمانی پیش کردیتے ہیں اور اس سے خلط مبحث کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانی ایک مستند حنفی عالم ہیں اور حضرت شاہ صاحب کلامی اور اعتقادی مسائل میں اپنے والد محترم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح اجتہاد سے کام

لیتے ہیں اور ان کا جھکاؤ اپنے مجتہد والد کی طرف ہوتا ہے۔ البتہ فقہی مسائل کے بیان میں شاہ صاحب مسلک احناف کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے والد محترم کے فقہی تفردات پر نہیں چلتے۔

حجتِ الٰہی، رسالت اور عقل!

وَكُلَّ اِنسَانٍ اَلزَمْنٰهُ طٰئِرَهٗ فِى عُنُقِه وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ القِيٰمَةِ كِتٰباً يَلقٰهُ مَنشُوراً اِقرَاْ كِتٰبَك كَفىٰ بِنفسِكَ اليَومَ عَلَيكَ حَسِيباً مَنِ اهتَدٰى فَاِنَّمَا يَهتَدِىْ لِنَفسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلّ عَلَيهَا وَلاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزرَ اُخرٰى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبعَثَ رَسُولاً. (بنی اسرائیل ۱۵)

اور ہر انسان کی بھلی یا بری تقدیر (طائر) اس کے گلے میں پڑی ہوئی ہے اور اس کے گلے کا ہار ہے۔ اور قیامت کے دن وہ تقدیر، اچھے اور برے اعمال کی صورت میں ایک کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے ہوگی اور کہا جائے گا کہ پڑھ اپنا نامۂ اعمال! آج اپنا حساب کتاب کرنے کے لئے تو خود ہی کافی ہے۔

جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے اس کا فائدہ اس کی ذات کو پہنچتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس کا نقصان بھی اسی کے لئے ہے اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم سزا دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ایک رسول نہ بھیجیں۔

آخری منفی فقرہ کا مثبت مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول و نبی کی بعثت (دعوتِ حجت) کے بعد حق کا انکار کرنے والوں کو عذاب میں گرفتار کرتا ہے اتمام حجت سے پہلے نہیں کرتا۔

اسی قانون عذاب کے مطابق دنیا کی معذب قوموں (عاد و ثمود وغیرہ) کو طبعی آسمانی اور زمینی حوادث کے ذریعہ اور نبی آخر الزماں ﷺ کے معاند دشمنوں کو میدان جہاد میں رسوا کن شکست و قتل کے ذریعہ عذاب میں مبتلا کر چکا ہے اور اسی قانون کے تحت ان قوموں کو عذاب آخرت میں گرفتار کیا جائے گا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول آخر الزماں ﷺ کے پردہ فرمانے اور آپ کے (۲۳) سالہ دور حجت و دعوت کاملہ کے ختم ہونے کے بعد قیامت تک جو طویل دور ہے اس میں منکرین حق کی حیثیت کیا قائم ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان اختلاف ہے امام اعظم حجتِ رسالت کے علاوہ عقل کی رہنمائی کو بھی حجت قرار دیتے ہیں البتہ یہ فرق کرتے ہیں کہ حسنات و عبادات میں شریعت کی حجت لازمی ہے، عقل عبادت کی حقیقت کو نہیں پاسکتی البتہ اصول میں عقل کی رہنمائی کام کرتی ہے کیوں کہ اسلامی اصول (توحید، نبوت محمدیؐ اور آخرت کا عقیدہ) عقل و فطرت کے مطابق ہیں خلافِ عقل نہیں ہیں اس لئے اس دور میں منکرینِ

اسلام اصولِ دین کو سمجھنے میں عقل سے کام نہ لیں گے تو وہ "مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ" کی وعید کے مستحق ہوں گے ،

یہ محروم ایمان طبقہ بالکل آزاد بھی نہیں چھوڑا جاتا بلکہ طرح طرح کے بیرونی اور اندرونی مصائب وحوادث کے ذریعہ انہیں بار بار ہوشیار اور خبردار کیا جاتا ہے سورہ روم (۴۱) کا یہی مفہوم ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔

خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا، لوگوں کے اعمال بدکی وجہ سے، تاکہ خدا تعالی ان بد اعمال لوگوں کو ان کے کچھ برے اعمال کا مزا چکھادے تاکہ وہ برائیوں سے لوٹ آئیں۔

اس محروم طبقہ کے ساتھ آخرت میں کیا معاملہ ہوگا؟ اس سلسلہ میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے نظریہ کے مطابق سورہ ملک (۹) کے قانون کا اجرا ہوگا اور اس قسم کے مجرموں کے اقرار کے مطابق انہیں سزائے آخرت دی جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ کے نظریہ کے مطابق حسبِ ذیل صورت پیش آئے گی۔ یعنی ایک وہ طبقہ ہوگا جس نے سمجھتے بوجھتے اور علم وفہم رکھنے کے باوجود انکار کی روش اختیار کی ہوگی اس پر سورہ ملک (۹) کا اطلاق ہوگا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

دوسرا طبقہ بے عقل، بے سمجھ دیوانوں، بچوں اور دیہات، جنگلوں اور پہاڑوں پر رہنے والوں کا ہوگا، شاہ ولی اللہؒ صاحب کی تشریح کے مطابق یہ لوگ اصحاب اَعراف میں شامل ہوں گے۔

قاضی صاحبؒ کا اشکال!

عربی مفسرین (رازی، ابن جریر، ابن کثیر، صاحب روح المعانی) میں صرف قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے تفسیر مظہری میں علم کلام سے متعلق اس اہم مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے اور آخر میں جو علماء شوافع محرومِ حجت منکرین کے حق میں عذابِ ہلاکتِ دنیوی کے قائل نہیں ہیں ان پر یہ اشکال وارد کیا ہے کہ اگر یہ طبقہ دنیوی عذاب کا مستحق نہیں ہے تو پھر عذاب آخرت کا بدرجہ اولیٰ سزاوار نہیں ہو سکتا۔ لیکن قاضی صاحب کے اشکال کا وہی جواب ہے جو اس ناچیز نے اوپر کی عبارت میں پیش کیا، اردو مفسرین میں کسی صاحب نے اس مسئلہ پر کلام نہیں کیا۔ قرآن کریم نے اس اشکال کی براہِ راست بندش کردی تھی اور سورہ ملک میں اس مسئلہ کو صاف کردیا تھا۔ قاضی صاحب نے غور نہیں فرمایا۔

دنیا میں سرزنش!

مذکورہ آیت روم (۴۱) نے بتایا کہ مجرم قوموں کو ان کے اعمالِ بد کے بدلہ تری اور خشکی کے مختلف حوادث میں گرفتار کیا جاتا رہتا ہے۔

دوسری آیت (سورہ قمر:۲۱) میں عذاب اور تنبیہات کے دونوں لفظ الگ الگ بیان کئے گئے ہیں۔

"فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ" پھر کیسا رہا میرا عذاب اور میرے ڈراوے اور میرا کھڑکھڑانا۔

شاہ صاحب کا انفرادی ترجمہ!

مذکورہ آیت بنی اسرائیل (۱۵) میں فارسی اور اردو کے قدیم وجدید تمام اصحابِ تراجم نے معذبین کے لفظ عذاب کا ترجمہ عذاب ہی کے لفظ سے کیا ہے۔

شاہ صاحبان کے تراجم کے بعد پہلا اردو بامحاورہ ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ہے ڈپٹی نذیر صاحب عربی اور اردو دونوں زبانوں کے ماہر ادیب تھے آپ نے شاہ صاحب کے ترجمہ کی نزاکت کو سمجھا اور شاہ صاحب کا لفظ "بلا" تو استعمال نہیں کیا البتہ عذاب کے لفظ سے ہلکا ایک دوسرا لفظ (سزا) اختیار کیا۔ پھر ڈپٹی صاحب کی پیروی میں مولانا تھانوی نے بھی سزا کا لفظ اپنے ترجمہ میں استعمال کیا۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے "اور ہم بلا نہیں ڈالتے جب تک نہ بھیجیں کوئی رسول"۔

فائدہ میں لکھتے ہیں: یعنی برے عمل آفت لاتے ہیں پر حق تعالی بن سوجھائے نہیں پکڑتا، رسول بھیجتا ہے اسی واسطے۔ شاہ صاحب نے عذاب (معذبین) کا ترجمہ دوسرے اہل تراجم کی طرح عذاب ہی

کے لفظ سے نہیں کیا بلکہ بلا کے لفظ سے کیا۔

عذاب وبلاء نہیں تنبیہات

شاہ صاحب علیہ الرحمہ عذاب وبلاء (مہلک اور غیر مہلک) دونوں قسم کے الفاظ سے گریز کر رہے ہیں اور ان مصائب و حوادث کو جو منکرین پر نازل ہوتے ہیں، تنبیہات اور دھمکیاں قرار دے رہے ہیں۔ یعنی تادیبی واقعات۔ ان حوادث طبعی میں اہل ایمان اور اہل کفر دونوں شامل ہوتے ہیں اور توبہ واستغفار کے بعد یہ حوادث اہل ایمان کے حق میں ابتلاء و آزمائش بن کر خدا کی رحمت کا سامان ہو جاتے ہیں، اور اہل انکار کے حق میں ان کی غفلت اور سرکشی کے سبب ان کے لئے مہلت اور مہلت کے بعد سخت سزاء کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔

اس لئے شاہ صاحب عموم کے ساتھ حوادث طبعی کو نہ عذاب کہتے ہیں اور نہ بلاء کہتے ہیں، کیونکہ تاثر کے اعتبار سے ان حوادث کے دونوں رخ ہیں۔

حاصل یہ کہ شاہ صاحب کی تاویل امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں کی توجیہ سے مختلف ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نظریہ کے مطابق شاہ ولی اللہؒ نے یہ گنجائش نکالی ہے کہ جو لوگ عقل و فہم سے خالی ہیں، بچے، دیوانے، گنوار، شہری زندگی سے دور پہاڑوں اور جنگلوں میں آباد لوگ، محرومیت کی سزا (عذابِ آخرت) سے محفوظ رہیں گے۔

شاہ ولی اللہ نے اس طبقہ کو اصحابِ اعراف میں شامل کیا ہے اوران

کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اصحاب فَترت قرار دیا ہے یعنی موجودہ دور کو عہدِ فَترت کے مشابہ قرار دیا ہے۔ شاہ صاحب سے پہلے حضرت مجدد صاحب نے بھی اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کے درمیان ایک تیسری قسم کے لوگ مانے ہیں جو نہ سزا پائیں گے اور نہ جزا کے حق دار ہوں گے۔

راقم السطور نے اس موضوع پر الگ ایک مضمون پوری بحث کے ساتھ لکھا ہے وہ دیکھا جائے۔ البتہ اس مسئلہ کی وضاحت میں حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ کا ایک جامع علمی فقرہ نقل کرنا مناسب ہوگا، شیخ الہند کے مشہور محقق شاگرد مولانا مناظر حسن گیلانی مرحوم نے اپنی کتاب ''الدین القیم'' میں اپنے استاذ کا یہ قول جو ترمذی شریف کی ایک حدیث کی وضاحت میں آپ نے فرمایا تھا، نقل کیا ہے شیخ نے فرمایا: ''جیسی تبلیغ ویسا مواخذہ'' شیخ کا یہ مختصر فقرہ بڑا جامع اور معنی خیز ہے۔

مولانا عثمانی کی تفسیر!

مولانا عثمانی شاہ صاحب کے اس فائدہ کی تشریح اس طرح کرتے ہیں ''بلا شبہ برے عمل آفت لاتے ہیں، پر حق تعالی بغیر سمجھائے نہیں پکڑتا اسی واسطے رسول بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بے خبر اور غافل نہ رہنے دے آخر میں لکھتے ہیں: تا آں کہ انبیاء علیہم السلام کے انوار وفیوض نے دنیا میں ایسی فضا پیدا کردی کہ کوئی معذب قوم

دنیایا آخرت میں جہل و بے خبری کا عذر پیش کر کے عذاب الٰہی سے رُستگاری حاصل نہیں کر سکتی (صفحہ ۳۷۶)۔

زیر بحث تفسیری مسئلہ میں مولانا نے شاہ صاحب کا منفرد تفسیری قول اپنے حاشیہ میں شاہ صاحب کا حوالہ دیئے بغیر نقل کیا اور آخر میں علماء حنفیہ کے نظریہ کے مطابق اس مسئلۂ تفسیری کی تشریح کی اور حقیقت یہ ہے کہ اس نازک مسئلہ کو مسلک حنفیہ کے لحاظ سے واضح کرنے اور اسے قارئین کو سمجھانے کا حق ادا کیا۔ البتہ اس تشریحی فائدہ میں خلط مبحث کی صورت پیدا ہو گئی، علامہ مرحوم کو اگر شاہ صاحب کی انفرادی رائے سے اتفاق نہیں تھا تو حضرت محترم اسے نقل نہ فرماتے اور اگر نقل کیا تھا تو خلط مبحث سے اپنی تفسیر کو بچانے کے لئے شاہ صاحب کے تفسیری فائدہ کا مطلب واضح کرتے۔

شاہ صاحب کے تفسیری نظریہ کی مفصل بحث آخر میں مستقل عنوان کے تحت پیش کی گئی ہے۔

یہ مسئلہ چونکہ بہت باریک تھا۔ اس لئے اس مسئلہ میں مولانا عتیق الرحمان صاحب سنبھلی (مقیم لندن ۸ر جولائی) کے مکتوب گرامی کے بعد دوبارہ نظر ڈالی گئی اور اسے واضح کیا گیا۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت، حجۃِ الٰہی!

حجتِ رسالت اور حجتِ عقل کے اختلافی مسئلہ میں شاہ عبد القادر

صاحب کی تحقیق کیا ہے اس مضمون میں چند مسائل کلامی کا مختصر اور مجمل تذکرہ کیا گیا ہے۔

ان مسائل کی تفصیلی بحث حسب ذیل ہے!

قرآن کریم میں دعوت و تبلیغ کے جو شرائط و آداب بیان کئے گئے ہیں ان کے لحاظ سے حضرات انبیاء کرام کی دعوت و تبلیغ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حجۃ قاطعہ قرار دیا گیا ہے، اسی جماعت مقدسہ کی دعوت و تبلیغ سے منکرین اور مشرکین کے لئے آخرت میں عذر و معذرت کا موقعہ باقی نہیں رہے گا۔

رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزاً حَکِیْماً (نساء ۱۶۵)

خدا کی طرف سے خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے گئے تاکہ لوگوں کو قیامت کے دن خدا تعالیٰ پر الزام کا موقعہ باقی نہ رہے اور لوگ اپنے گناہوں کے لئے یہ عذر پیش نہ کریں کہ ہمیں خدا کی مرضی کے کام بتانے والا ہمارے پاس کوئی نہ آیا۔

چنانچہ دوزخ کے اندر جا کر جب ان سے جہنم کا داروغہ سوال کرے گا تو یہ اس کے جواب میں اقرار کریں گے۔

کُلَّمَا اُلْقِیَ فِیھَا فَوْجٌ سَاَلَھُمْ خَزَنَتُھَا اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَذِیْرٌ قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَاءَ نَا نَذِیْرٌ فَکَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلاَّ فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ (ملک ۹)

جب منکرین حق کی کوئی جماعت جہنم میں ڈالی جائے گی تو جہنم کا داروغہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تم لوگوں کے پاس کوئی خبر دار کرنے والا نہ آیا تھا، وہ جواب دیں گے، ہاں! آیا تھا، مگر ہم نے اس کو جھٹلایا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر دین حق نازل نہیں کیا تم لوگ اے رسولوں! بڑے بہکائے میں مبتلا ہو۔

آگے کہا

فَاعْتَرَفُوْ بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقاً لِاَصْحَابِ السَّعِيْرِ (۱۰)

"اس طرح انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، پس دور دفعان ہو جائیں جہنمی لوگ"

اسی جماعت انبیاء کی بعثت و دعوت کے ظہور کے بغیر دنیا اور آخرت میں جرائم پیشہ قوموں پر خدا کا عذاب نازل نہیں ہوتا۔

ختم نبوت، کامل حجۃِ الٰہی!

عہد رسالت کا (۲۳) سالہ دور نبوت کی عظیم اور طویل تاریخ کا اہم ترین دور ہے اور اس دور میں آپ نے اتمام حجت کا تاریخی کردار ادا کیا ہے۔

رسول پاک ﷺ کی دعوت کاملہ اور حجۃ قاطعہ سے زندہ ضمیر لوگ ایمان لاتے رہے اور جن مردہ ضمیر، حاسد اور ذاتی معاند لوگوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیا وہ حسب قانون عذاب دنیا میں گرفتار

ہوئے البتہ ان کے عذاب کی صورت حوادث آسمانی کی شکل میں ظاہر نہیں ہوئی۔ بلکہ میدان جہاد میں رسواکن ہزیمت اور قتل کی صورت میں ظاہر ہوئی جیساکہ غزوۂ حنین کی شکست کو منکرین کے حق میں عذاب کہا گیا۔

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذَالِكَ جَزَاءُ الكَافِرِيْنَ (توبہ ۲۴)

اور دشمنوں کو میدان جنگ میں ذلیل ورسوا کرنے والی شکست اور ان کی ہلاکت خدا کا عذاب تھا اور یہ ان کی معاندانہ دشمنی کی سزاء تھی۔

مشرکین قریش کے بارے میں حکم دیا گیا۔

وَقَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ (توبہ ۱۴)

ان کفار سے لڑو اللہ تعالی تمہارے ہاتھوں سے انہیں عذاب دے گا۔

حضور علیہ السلام کے بعد صحابہ کرام کا دور آیا، جماعت صحابہ بحیثیت جماعت "جماعتِ صدیقین" تھی لیکن اس مقدس جماعت کی تبلیغ ودعوت کا مقام حضور علیہ السلام کی تبلیغ ودعوت کا نہ تھا، تَبُعاً بِالْحُجّة کہا جاسکتا ہے۔ اصلاً نہیں کہا جاسکتا۔

اس لئے دفاعی اقدامات میں صحابہ کرام کا پیغام ہوتا تھا۔

ایمان لاؤ یا اطاعت (سیاسی) کرو یا پھر جنگ کیلئے تیار ہوجاؤ،

رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کے نویں (۹) سال براءت کا اعلان کرایا جسکا حاصل یہ تھا کہ مہلت کا دور ختم ہوا اب یا اسلام قبول کرو یا مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ، یہ اعلان دَاعِی بِالْحُجَّة کا تھا۔

عذاب ہلاکت کی عام منسوخی!

اب ظاہر ہے کہ جب بعثت رسالت "بدرجہ حجۃ اللہ" حضور علیہ السلام کی آخری نبوت پر ختم ہوگئی تو منکرین حق پر ہلاکت عام (عذاب) کا قانون بھی ختم ہو گیا، صرف مصائب و حوادث کا جزوی نظام باقی رہا، کیونکہ دعوت حق کا سلسلہ خاتم الانبیا کی امت (خیر امت) کے خواص (علماء صوفیاء) اور تبلیغ کے کام سے جڑے ہوئے عوام کے ذریعہ قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا مگر یہ دعوت بالحجۃ نہیں ہے۔

امت خیر کے حق میں منسوخی!

قرآن کریم نے انعام (٦٧) میں امت محمدیہؐ کے حق میں نزول ہلاکت کے قانون کی منسوخی کا واضح اعلان کیا حالانکہ جس امت نے خاتم الرسل کا پیغام قبول کیا ہو اور باوجود عملی کمزوریوں کے وہ امت توحید اور نبوت محمدی کی راہ پر قائم ہو اس کے ہلاک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ اس آیت ذیل میں اس بات کا اعلان ضرور کر دیا گیا کہ یہ امت اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے مختلف قسم

کی بلاؤں اور خاص طور پر باہمی خانہ جنگی کی سزاء میں گرفتار ہو گی۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ. (انعام ٦٥)

آپ کہدیں کہ اللہ تعالی قادر ہے اس بات پر کہ وہ تم مجرموں پر اوپر سے عذاب نازل کرے اور اس بات پر بھی کہ وہ تم پر نیچے سے عذاب نازل کرے یا تم میں اختلاف پیدا کر دے اور تم آپس کی خانہ جنگی کا مزا چکھو دیکھو! ہم کس کس طرح اپنی باتیں بیان کرتے ہیں تا کہ وہ لوگ سمجھیں۔

احادیث میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے پہلے دونوں فقروں پر عذاب سے پناہ طلب کی۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْه مگر تیسرے فقرہ اور تیسری صورت کے بارے میں فرمایا هٰذَا اَيْسَرُ مِنْهُمَا . ہاں یہ صورت ان دونوں سے آسان ہے۔

وحی آئی، ہم نے اسے منظور کیا، آپ کے بعد لوگوں کو ان کے اعمال بد کی سزاء اسی صورت میں دی جائے گی۔

یہ قانون صرف امت محمدیہؐ کے لئے ہے۔

کامل دعوت کے آداب!

قرآن کریم نے کامل اور مکمل دعوت کے حسب ذیل شرائط

و آداب مقرر کئے ہیں

(۱) پیغام حق پر یقین کامل!

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ قف عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
(سورہ یوسف ۱۰۸)

اے نبی ﷺ آپ اعلان فرمادیں کہ اے لوگو! یہ میری راہ حق ہے، میں تمہیں خدا تعالیٰ کی اس راہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور میری اتباع کرنے والے پوری بصیرت، عقل و شعور کے ساتھ یہ فرض ادا کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک ہے اور ہم شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔

(۲) حکمت، موعظت، جدالِ اَحسن!

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (نحل ۱۲۵)

اے نبی علیہ السلام! آپ اپنے پردگار کے راستہ (اسلام) کی طرف لوگوں کو بلائیے، حکمت و دانش مندی کے ساتھ اور اچھی اور دل کو پسند آنے والی نصیحت کے ساتھ اور ضرورت پڑے تو ان کے ساتھ مباحثہ کیجئے لیکن اس بحث و مباحثہ میں سنجیدگی ہو، مخاطب کے لئے خیر خواہی کا جذبہ ہو، ضد میں ڈالنے والا انداز نہ ہو۔

(۳) بے لوث، اخلاص!

قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص ۸٦)

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ (سباء ۴۷)

اے رسول علیہ السلام! آپ اعلان کردیں کہ میں تم سے اس دعوت حق کا کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور میں اپنے قول وعمل میں بناوٹی آدمی نہیں ہوں، سچا آدمی ہوں۔

(۴) گمراہی پر دل سوزی، فکر مندی!

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفاً (کہف ٦)

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (شعراء ۳)

اے رسول ﷺ! شاید آپ ان گمراہوں کو ہدایت دینے کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کردیں گے اس رنج وغم میں کہ یہ لوگ اسلام کیوں قبول نہیں کررہے۔

حضورؐ کو دو دفعہ تسلی اور طمانیت کے لئے یہ خطاب کیا گیا۔

(۵) ہدایت کی شدید خواہش!

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (توبہ ۱۲۹)

اے لوگو! تمہارے پاس ایک رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے، تمہاری تکلیف اس پر بھاری گذرتی ہے وہ تمہاری ہدایت ونجات کا بے حد وحساب خواہش مند ہے، اہل ایمان کے حق میں خاص طور پر مہربان و مشفق ہے پھر اگر تم نے روگردانی کی تو اے نبی! اعلان کردو کہ میرے لئے اللہ تعالی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

یہ عظیم شہنشاہی اسی کے حکم پر چل رہی ہے۔

(۶) تقدیر الٰہی پر اعتماد!

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (قصص ۵۶)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (بقرہ ۶)

اے رسول علیہ السلام! ہدایت وضلالت کا معاملہ تقدیر الٰہی سے تعلق رکھتا ہے، پس آپ جسے چاہیں اسے ہدایت سے بہرہ مند نہیں کرسکتے ہاں، اللہ تعالی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اللہ تعالی خوب جانتا

ہے ان لوگوں کو جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

بے شک جنہوں نے ہٹ دھرمی سے کفر کی راہ اختیار کی ہے آپ انہیں ہوشیار و خبردار کریں یا نہ کریں وہ ایمان لانے والے نہیں۔

جماعتِ صحابہ، جماعتِ صدیقین!

نبی آخرالزماں ﷺ کے رفقاء (صحابہ کرام) کی جماعت مجموعی حیثیت سے جماعت صدیقین تھی، یوں تو ہر نبی مکرم علیہ السلام کے صحابی اور حواری اپنے عہد کے بلند ترین اہل ایمان و عمل تھے، مگر یہ خصوصیت نبی خاتم الانبیاء ﷺ کو حاصل تھی کہ خداتعالی نے صحابہ کرام کو ایسی جماعت قرار دیا جسے خداتعالی نے اپنے رسول کی تائید و تقویت کے لئے کھڑا کیا تھا اور اسی مقصد کے لئے ان کی تخلیق کی گئی تھی۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
(انفال ۶۴)

اے نبی علیہ السلام! آپ کے لئے اللہ کی نصرت و حمایت کافی ہے اور وہ لوگ آپکے لئے کافی ہیں جو آپ کی اتباع کر رہے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں حضرات صحابہ کرام کے اسی مرتبہ صدیقیت کی طرف اشارہ ہے سورہ نساء میں اسی جماعت کو صدیقین کہا گیا ہے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (٦٩)

صدیقین سے اصحاب صدق و صفاء کی یہی جماعت مراد ہے یہ صدیقین کا کامل گروہ ہے۔

اس جماعت کی دعوت و تبلیغ کا درجہ بھی حجۃ اللہ کی حیثیت رکھتا ہے اور رسول پاک ﷺ نے سورہ یوسف (۱۰۸) میں اپنے صحابہ کو یقین و بصیرت میں اپنے ساتھ رکھا ہے اور اس کا اعلان کیا ہے البتہ صحابہ کی حیثیت داعی بالحجہ نبی علیہ السلام کی تبعیت اور نیابت میں تھی اسلئے اس دعوت کو نبی علیہ السلام کی دعوتِ کاملہ کے برابر درجہ حاصل نہ تھا۔

اب اس کا حل کیا ہے؟

مولانا امین احسن صاحب اصلاحیؒ نے اپنی مشہور کتاب دعوتِ حق میں اس مسئلہ پر بڑی جامع بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ موجودہ دور میں تبلیغ اسلام کے نام پر ہندوستان (مشترک) میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کافی نہیں ہے۔

تبلیغی جماعت کی تحریک تبلیغی اور کانفرنسیں، تبلیغی کتابیں اور تبلیغی ماہنامے اپنی اپنی جگہ یہ فرض ادا کر رہے ہیں لیکن وہ دعوت حق جو

مادہ پرستی اور باطل کے غلبہ کے اس دور میں حجۃ الٰہی کا فرض ادا کرے وہ ادا نہیں ہو رہا، مولانا لکھتے ہیں۔

تبلیغ واتمام حجت کے متعلق ہم اس سلسلہ کی کسی پچھلی قسط میں لکھ چکے ہیں کہ اس کے لئے مجرو یہ بات کافی نہیں ہے کہ دنیا میں مسلمان نامی ایک برا بھلا گروہ موجود رہے اور وہ کچھ الٹی سیدھی تدبیریں تبلیغ کیلئے کرتا رہے بلکہ اس کے خاص شرائط ہیں اور جب تک وہ اپنے تمام شرائط کے ساتھ پوری نہ کی جائے اس وقت تک اصلی الزام ان لوگوں پر نہیں ہے جو گمراہ ہیں بلکہ ان لوگوں پر ہے جو گمراہوں کو ہدایت کا راستہ بتانے پر مامور تھے مگر انہوں نے اپنا فرض ادا نہیں کیا ان لوگوں کے بارے میں اگر ہم ٹھیک ٹھیک وہ روش اختیار کریں جو نبی کریم ﷺ نے اختیار فرمائی تو ہمارا فرض یہ ہوگا کہ ان میں سے جو اہل کتاب ہیں ان پر اس طرح حجت قائم کریں جس طرح نبی کریم ﷺ نے اہلِ کتاب پر حجت قائم کی اور جو اہل کتاب نہیں ہے ان کو انسانیت اور فطرت کے ان مبادیٔ کی اساس پر دعوت دیں جو ہمارے اور ان کے بلکہ تمام بنی نوع آدم کے درمیان مشترک ہیں۔ اس تبلیغ کو ایک مدت تک جاری رہنا چاہئے اتنی مدت تک کہ جن کے اندر قبول حق کی کچھ بھی صلاحیت ہے وہ حق کی طرف کھنچ آئیں اور اہل باطل اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دیں

کہ ان کا باطل میں پڑے رہنا کسی واقعی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں بلکہ سر تا سر شرارت اور بد نفسی کا نتیجہ ہے اس کے بعد بلا شبہ اہل حق کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسے شریروں کے کافر ہونے کا فیصلہ کریں اور ان سے اعلانِ براءت کریں۔ یہ جہاد کبیر انجام دیئے بغیر جو حضرات ساری دنیا کے کفر کا فیصلہ کئے بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آج اگر کسی طرح ان کے ہاتھوں میں طاقت منتقل ہو جائے تو ان کو حق ہو گا کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو قرآن نے کافروں اور مشرکوں کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اس غلط فہمی میں شاید وہ اس وجہ سے پڑے رہنا چاہتے ہیں کہ اپنی ذمہ داریوں سے فرار کی یہ نہایت اچھی راہ ہے۔

دارالعلوم

احترام صحابہ اور شاہ صاحب علیہ الرحمہ



حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ ادب رسالت اور احترام صحابیت کا بہت خیال رکھتے ہیں ایک مقام پر شاہ صاحب نے صحابہ کرام کا احترام قائم رکھنے کے لئے جمہور مفسرین سے الگ راہ اختیار کی ہے۔

اس اہم آیت قرآنی کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمہ نے شاہ صاحب کی تائید کی ہے اور مولانا کے ذوق سلیم نے مولانا کو جمہور سے اختلاف کرنے پر مجبور کر دیا ہے، لیکن مولانا نے اپنے تشریحی فائدہ میں شاہ صاحب کا فائدہ نقل کرتے ہوئے شاہ صاحب کے حوالہ سے گریز کیا ہے اور بغیر حوالہ کے شاہ صاحب کے فائدہ کو اپنے تشریحی حاشیہ میں جذب کر دیا ہے۔

شاہ صاحب کے قارئین کو بڑی خوشی ہوتی کہ مولانا مرحوم شاہ صاحب کا حوالہ دے کر شاہ صاحب کے انفرادی ذوق کی وضاحت کر دیتے ہو سکتا ہے کہ علامہ مرحوم کے ذہن میں یہ بات ہو کہ جب میں اپنی مستقل تفسیر لکھوں گا اس وقت ان تفسیری مسائل کی باریکیوں پر بحث کرنا مناسب ہو گا، جیسا کہ مولانا نے جنت اور دوزخ کے دائمی اور غیر دائمی ہونے کی بحث (سورہ ہود آیات ۱۰۸) میں لکھا ہے کہ اگر خدا کی توفیق سے مستقل تفسیر لکھنے کی نوبت آئی تو اس وقت مفصل کلام کیا جائے گا۔

مولانا نے بعض نام نہاد مفسرین کے حوالہ سے ان کے خیال کی تردید کی ہے یہ مفسرین مولانا سید سلیمان ندوی معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے سیرت النبی میں شیخ محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ کے حوالہ سے دوزخ کے دائمی نہ ہونے کے نظریہ کو اختیار کر لیا تھا۔

لیکن علماء اسلام کے اعتراض کرنے پر مولانا ندوی نے شیخ اکبر کے نظریہ سے رجوع کر کے جمہور علماء کے عقیدہ کو تسلیم کر لیا اور بات ختم ہو گئی۔

شاید اس حاشیہ کی تحریر کے وقت مولانا عثمانی کو سید صاحب کے رجوع کی اطلاع نہ ہوئی ہو۔

اب اس کی مثال پر غور کیجئے:

سورہ حدید کی آیات

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنِ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِاللّٰهِ وَمَانَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلاَ يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوْالْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (حدید۱۶)

کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ قت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا تعالی کو یاد کرتے وقت عاجزی اختیار کریں اور جو احکام خدا کی طرف سے آئے ہیں انہیں (نبی علیہ السلام کی طرف سے) یاد دلاتے وقت جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں کتاب دی گئی ان سے پہلے پھران پر (نبوت سے دوری کی) مدت دارز ہوگئی اس سے ان کے دل سخت ہوگئے اور ان کے اکثر لوگ سرکش ہیں۔

ابن کثیر لکھتے ہیں۔

ای تلین عند الذکر والموعظة وسماع القرآن فتفهم وتنقا دله وتسمع له وتطيع۔

ذکر الٰہی، موعظت اور قرآن کریم سنتے وقت ان کے دل نرم پڑیں اس کو سمجھیں اور اسے سنیں اور اسکی پیروی کریں۔

یہ آیات حضرات صحابہ کرام کو مخاطب کررہی ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ان الله استبطا قلوب المومنين

فعاتبهم علی راس ثلاث عشرۃ من نزول القرآن، اللہ تعالی نے اہل ایمان کے دلوں کی سستی اور کمزوری کو محسوس کر کے نزول قرآن کریم کے تیرہ سال (ثلاث عشرۃ) بعد ہی انہیں تنبیہ فرمائی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں:

مان کان بین الاسلام وبین ان نبہنا اللہ بھذہ الآیۃ یعنی ہمارے اسلام قبول کرنے اور اس آیت کے درمیان جسمیں ہمیں تنبیہ کی گئی ہے چار سال (اربع سنین) کا وقفہ ہے

حضور ﷺ کی ایک روایت ہے کہ **اول ما یُرفَعُ من الناس الخشوع** سب سے پہلے لوگوں سے جو حالت اٹھائی جائے گی وہ خشوع کی کیفیت ہو گی۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود کی روایات سے معلوم ہوا کہ یہ آیت دو دفعہ نازل ہوئی۔

پہلی دفعہ ابتداء اسلام میں کیونکہ عبداللہ ابن مسعود اسلام قبول کرنے والوں میں چھٹے صحابی ہیں دوسری دفعہ مدینہ منورہ میں چار ہجری کے بعد جب صحابہ کرام غزوہ احد اور اس کے بعد ہونے والے غزوات کی جدوجہد میں مشغول تھے۔ تفسیر کی بعض ضعیف روایات میں یہ آیا ہے کہ مدینہ منورہ کی خوش حال زندگی میں مسلمانوں کے اندر عبادت سے غفلت اور لاپرواہی پیدا ہو گئی تھی۔

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، لیکن امام ابن کثیر نے اس قسم کی کوئی روایت نقل نہیں کی صرف ابن عباس اور ابن مسعود کے مذکورہ اقوال نقل کرنے پر اکتفاء کیا۔

مولانا محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں اپنے شیخ کی پیروی میں ان آیات کو عتاب وتنبیہ کی آیات قرار دیا اور ساتھ ہی حضرت ابن مسعود کا قول بھی نقل کیا اور واللہ اعلم کہہ کر اپنی بے اطمینانی کا اظہار کر دیا کیونکہ اس قول کے مطابق صحابہ کرام کا ابتدائی دور بھی عتاب وتنبیہ کے قابل قرار پاتا ہے لیکن مفتی صاحب نے اس قول کی تحقیق کا کام بعد والوں کے سپرد کر دیا، بے اطمینانی ظاہر ہے کیونکہ یہ ابتدائی دور صحابہ کرام کے انتہائی اخلاص وایثار کا دور تھا۔ صاحب تفہیم القرآن نے عتاب وتنبیہ کے مفہوم کو مندرجہ ذیل الفاظ میں تحریر کیا۔ "یعنی یہود ونصاری تو اپنے اپنے انبیاء سے سینکڑوں برس بعد آج تمہیں اس بے حسی اور روح کی مردنی اور اخلاق کی پستی میں مبتلا نظر آرہے ہیں کیا تم اتنے گئے گذرے ہو کہ ابھی رسول تمہارے سامنے موجود ہے اور ابھی سے تمہارا حال وہ ہو رہا ہے جو صدیوں تک خدا کے دین اور اس کی آیات سے کھیلتے رہنے کے بعد یہود ونصاری کا ہوا ہے۔ (تفہیم القرآن ۸۴۱)

غور طلب بات ہے کہ کیا بقول ابن مسعود اسلام کے بالکل ابتدائی

عہد میں اور بقول ابن عباس مدینہ منورہ کی مجاہدانہ زندگی اور جنگ و پیکار میں سرگرم زندگی میں صحابہ کرام کی یہی حالت ہوگئی تھی جسکی تصویر مولانا مودودی صاحب نے کھینچی ہے۔ اسے عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔

حضرت شاہ صاحب کی توجیہ!

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ان آیات پر جو تفسیری فائدہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب ان آیات کو ترغیب و تشویق کی آیات قرار دے رہے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

"یعنی ایمان وہی ہے کہ دل نرم ہو، پیغمبروں کی صحبت میں یہ پاتے تھے مدت کے بعد سخت ہوگئے اور اب یہ صفت مسلمانوں کو چاہئے"۔

مولانا عثمانی علیہ الرحمہ نے شاہ صاحب کا یہ فائدہ حوالہ دیئے بغیر اپنے تشریحی حاشیہ میں نقل کیا ہے اور ان آیات کو ترغیب کی آیات قرار دیا ہے یعنی شاہ صاحب سے اتفاق کیا ہے۔

تشریح کے آخر میں لکھتے ہیں

اب مسلمانوں کی باری آئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی محبت میں رہ کر نرم دلی انقیاد کامل اور خشوع لذکر اللہ کی صفات سے متصف ہوں اور اس مقام بلند پر پہنچیں جہاں کوئی امت نہ پہنچی تھی، (۷۱۶)

شاہ صاحب کے تائیدی حالات:

(۱) شاہ صاب نے بعض ضعیف روایات کو نظر انداز کیا ہے جس

میں یہ کہا گیا ہے کہ مدینہ منورہ میں آکر صحابہ کرام خشوع وانقیاد کے اس مقام سے نیچے آگئے تھے جو انہیں مکہ معظمہ میں حاصل تھا یا یہ روایت کہ حضور ﷺ نے بعض صحابہ کو ہنستے دیکھا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

(۲) شاہ صاحب نے ابن عباس اور ابن مسعود کے اقوال میں عتاب کے لفظ کو تواضع پر محمول کیا ہے۔ یہ دونوں صحابی خشوع اور انقیاد کے اس مقام عالی پر فائز تھے کہ اپنے قلب کے معمولی تغیر کو بھی انہوں نے اپنے مقام کے لحاظ سے انحطاط سے تعبیر کیا اور ان آیات کو اپنے حق میں بطور تواضع عتاب وتنبیہ قرار دیا۔

چونکہ ان اقوال میں جمع کی ضمیریں استعمال کی گئی ہیں اس لئے بعض مفسرین نے ان ضمیروں کا اشارہ تمام صحابہ کرام کی طرف سمجھا حالانکہ یہ انفرادی احساس تھا۔

(۳) قرآن کریم نے حضرات صحابہ کے لئے مجموعی طور پر صداقت ایمان و عمل اور اخلاص قلب کی جو گواہی دی ہے وہ قرآنی شہادت ان ضعیف روایات (انحطاط و گراوٹ) کی تردید کرتی۔

ابن عباس کے شاگرد حضرت عکرمہ نے ایک موقعہ پر اپنے استاد کو آیات سبت سورہ اعراف (۱۶۲) کی تلاوت کے وقت روتے دیکھا اور سوال کیا کہ حضرت رونے کی کیا وجہ ہے تو استاد نے فرمایا۔

ہماری حالت بھی اسی گروہ جیسی ہے کہ ہم برائیوں کو دیکھ کر

خاموشی اختیار کرتے ہیں پھر ہمارا کیا حال ہوگا؟

حضرت عکرمہ نے کہا اے استاد! آپ نے غور نہیں فرمایا اللہ تعالی نے اس تیسرے گروہ کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے ہلاک ہونے والوں میں انہیں شامل نہیں کیا، اس لئے ہمیں بھی ان کے بارے میں سکوت اختیار کرنا چاہئے، انہیں ہلاک شدہ نہ سمجھنا چاہئے۔

حضرت ابن عباس شاگرد کی یہ تحقیق سنکر بہت خوش ہوئے اور آپ نے اطمینان کا سانس لیا اور حضرت عکرمہ کو اس تحقیق پر انعام واکرام سے مشرف فرمایا۔

حضرت ابن مسعود کے اندر جو احتیاط (تقوی) کا جذبہ تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپنے اپنی بیوی کے گلے میں تعویذ کا دھاگا دیکھ کر اس کو توڑ ڈالا اور اسے شرک سے تعبیر کیا حالانکہ دوسرے صحابی حضرت ابن عمر اپنے بچوں کے گلے میں تعویذ ڈالا کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود کا یہ متقیانہ احساس مذکورہ قول کے اندر بھی کارفرما ہے۔ یہی احساس تعویذ گنڈے کے بارے میں روح توحید کے قریب معلوم ہوتا ہے۔

مرشدینِ حق!

شاہ صاحب کی تفسیر مذکور میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے عالم مادی سے تشریف لے جانے کے بعد وہ

نرم دلی جو نبی کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے وہ آپ کے جانشین مرشدین صادقین کی صحبت سے حاصل ہوتی رہے گی۔

آیت کریمہ نے اس کی طرف اس انداز سے اشارہ کیا ہے کہ اہل کتاب کو اپنے نبی کے بعد مرشدین حق نصیب نہ ہوئے اس لئے ان کے دلوں میں قساوت پیدا ہو گئی مگر اے اہل ایمان! تمہارے نبی کے بعد نبی کے جانشینوں کا سلسلہ جاری رہے گا اور ان کی صحبت اور تربیت میں تمہارے دلوں میں نرمی، عاجزی اور تواضع کی صفت پیدا ہو گئی لہٰذا تمہیں اس پر توجہ دلائی جارہی ہے۔

اہل دل کی صحبت!

رسول پاک ﷺ کا مشن دعوت الی الدین تھا اور دعوت کے دو طریقے تھے ایک تعلیم دوسرا تزکیہ وتربیت۔

نبی خاتم الانبیاء کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے دائمی پیغام کی دعوت کا فریضہ امت مسلمہ پر عائد کیا گیا جو اسی مقصد کے لئے کھڑی کی گئی ہے۔

اس امت مسلمہ کے اندر ایک طبقہ اس ذمہ داری کا خصوصی حامل قرار دیا گیا ہے یہ علماء صادقین کی جماعت ہے۔

قرآن کریم نے اس جماعت کی خصوصی صفت خوف وخشیت قراری سے اس صفت سے نرم دلی اور رحم دلی پیدا ہوتی ہے عاجزی

اور تواضع کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور یہ صفات تعلیم وتربیت کی کامیابی کے لئے بنیادی صفات ہیں۔

قرآن کریم نے رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے یہ فرمایا

فَبِما رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰه لِنتَ لهُم وَلَو كَنتَ فَضّاَ غَلِيظَ القَلبِ لاَ نفضّوا مِن حَولِكَ فَاعفُ عَنهم وَاستَغفِرلَهُم

اے نبی! خدا تعالیٰ کا آپ پر بڑا کرم ہے کہ آپ نرم دل واقع ہوئے ہیں اور اگر آپ سخت دل واقع ہوتے تو یہ اہل مکہ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے لہٰذا آپ ان کی کمزوریوں سے در گذر کیا کیجئے اور ان کے حق میں دعاء کیا کیجئے اور دنیوی معاملات میں ان سے صلاح مشورہ کیا کیجئے۔

رسول اور مرشد اللہ کے نائب!

شاہ صاحب پر علم الٰہی (اور علم لدنّی) کا بڑا فیضان تھا اور اسی کے سبب آپ روحانیت کے تاجدار تھے چنانچہ شاہ صاحب نے سورہ لقمان (۱۵) پر اپنے تفسیری فائدہ میں لکھا ہے کہ باپ (لقمان) نے اللہ کا حق بتایا اور اللہ نے باپ کا اور رسول کا اور مرشد کا حق اللہ ہی کے حق میں شامل ہے کیونکہ نبی اور مرشد اللہ کے نائب ہیں (مستند موضح ص ۵۲۴)

اصحاب عرفان حقیقی علماء ہیں!

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُور (فاطر ۲۸)

اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے، تحقیق اللہ زبردست ہے بخشنے والا۔

اس پر تشریحی فائدہ یہ ہے۔

"یعنی سب آدمی ڈرنے والے نہیں، ڈرنا اللہ سے سمجھ والوں کی صفت ہے اور اللہ کی معاملت بھی دو طرح ہے، زبردست بھی ہے کہ ہر خطا پر پکڑے اور غفور بھی ہے کہ گناہ گار کو بخشے۔

شاہ صاحب علماء کا ترجمہ جاننے والے نہیں کر رہے، سمجھ والے کر رہے ہیں، یہ اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ عرف عام میں علماء سے علم دین کے جاننے والے مراد ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم نے اس موقعہ پر علماء سے عارف باللہ، صاحب عرفانِ حق مراد لئے ہیں یعنی علماء ظاہر نہیں، علماء باطن، عالم بامراللہ نہیں، عالم باللہ مراد لئے ہیں۔

کیونکہ خوف وخشیت باطن کی صفت ہے اور یہ صفت انہی لوگوں میں ہوتی ہے جو علم باطن رکھتے ہیں، علم باطن عرفان ومعرفتہ کہلاتا ہے اس کے مقابلہ میں علم ظاہر آتا ہے، یعنی احکام الٰہی کا علم۔

ابن مسعود فرماتے ہیں:

لیس العلم عن کثرۃ الحدیث ولکن العلم عن کثرۃ الخشیہ

علم حقیقی احادیث کو کثرۃ کے ساتھ روایت کرنے کا نام نہیں بلکہ کثرت کے ساتھ خدا تعالیٰ سے ڈرنے کا نام ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں:

الذین یعلمون ان اللہ علی کل شئ قدیر (ابن کثیر جلد ۴ ص ۵۵۲)

آیت میں العلماء سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہر شی پر قادر ہونے کا علم رکھتے ہیں۔

ابن عباس کا مطلب واضح ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات، قدرت، قوت اور عظمت کا جن لوگوں کو علم حاصل ہو، یعنی صفاتِ الٰہی کا عرفان، شعور اور فہم حاصل ہو وہی خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

شاہ صاحب نے حضرت ابن عباس کی تفسیر کے مطابق ہی ترجمہ کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

ان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما فانما ورثوا العلم (مشکوۃ ۳۴ عن الترمذی واحمد)

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء درہم و دینار کا ورثہ نہیں چھوڑتے بلکہ علم کا ورثہ چھوڑتے ہیں۔

رسول آخرالزماں ﷺ کا ورثہ علم کتاب وسنت قیامت تک محفوظ رہے گا اور علماء اس ورثہ کی حفاظت کریں گے اسلئے اس جماعت کا وجود بھی قیامت تک باقی رہے گا۔

اس ورثہ میں علم ظاہر اور علم شریعت بھی ہے اور علم باطن، عرفان الٰہی اور معرفت صفات الٰہی بھی ہے

علماء ظاہر علوم شریعت کے محافظ ہیں، یہ تعلیم کتاب (یعلمھم الکتاب) کے ذمہ دار ہیں، علماء باطن نبوت کی دوسری ذمہ داری یعنی تزکیہ وتربیت (ویزکیھم) کا فرض ادا کرتے ہیں۔

اہم تصنیفات مولانا اخلاق حسین قاسمی

- معتبر موضح قرآن
شاہ عبدالقادر صاحب
تحقیق شدہ جدید ایڈیشن
مطبوعہ کراچی
- محاسن موضح قرآن
علمی اور ادبی لطائف پر مکمل تبصرہ
دو سو برس کے تراجم کا تقابلی مطالعہ
صفحات سات سو
- مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت
ترجمان القرآن پر مکمل تبصرہ
صفحات چار سو
- بصائر القرآن
تفسیر کے اہم (۵۰)
موضوعات پر تحقیقی مقالات
زیر طبع
- فوائد الفواد
کا علمی مقام
حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات
پر مکمل تبصرہ صفحات پانچ سو
- مولانا محمد اسماعیل شہید
اور ان کے ناقد
شاہزید صاحب کا جواب
- اخلاق رسول
صلی اللہ علیہ وسلم
سیرت پاک کا اخلاقی پہلو مکمل
- شاہ ولی اللہؒ
اور ان کا نسبی
اور فکری خاندان
- دلی کی برادریاں
دلی والوں کی تاریخ
- اسلام میں
غیرمسلموں کے حقوق
اردو، ہندی
- اسلام میں
سماج سیوا کا مقام
ہندی اور اردو میں
- کنزالایمان ترجمہ
بریلوی کا علمی تجزیہ